Majallah-yi Talim o Tahqiq
Markaz Talim o Tahqiq, Gulshan-e-Taleem,
Sector H-15, Islamabad, Pakistan

مجلہ تعلیم و تحقیق
مرکز تعلیم و تحقیق، گلشنِ تعلیم، ایچ۔۱۵، اسلام آباد، پاکستان

ISSN (P): 2618-1355, ISSN (Online): 2618-1363

Issue 3, Vol 6 ,July-September,2024

شمارہ ۳، جلد ۶، جولائی۔ستمبر، ۲۰۲۴

تفہیم المسائل میں طبی مسائل: منہج استدلال اور معاصر فتاویٰ کے ساتھ تقابلی جائزہ

Medical Issues in Tafheem-ul-Masayil: A Review of Jurisprudential Methodology and Comparative Analysis of Contemporary Fatwas

نعمت اللہ

Keywords:
Medical Issues,
Tafheem-ul-Masayil,
Contemporary Fatwas

Abstract:
Islam offers holistic guidance for all aspects of life, including healthcare and medical ethics. In recent times, advances in medicine—such as organ transplantation, cosmetic surgery, and artificial reproduction—have raised new questions regarding their compatibility with Islamic principles. The primary aim of this research is to evaluate contemporary fatwas on medical issues, focusing on how Islamic jurisprudence balances religious rulings with modern healthcare needs. The study explores the principles of *Darurah* (necessity) and *raf'al-haraj* (removal of hardship) to provide practical solutions for patients while ensuring compliance with Islamic law.

تعارف

اسلام دین فطرت ہے جو پوری انسانیت کے ہر شعبے میں مکمل رہنمائی کرتا ہے اس کی پاکیزہ تعلیمات جہاں عقائد وعبادات معاشرت و معاملات اور اخلاق وآداب کے تمام پہلوؤں کو جامع ہے وہی حفظان صحت اور تندرستی کے معاملے میں بھی اسلام کی معتدل ہدایات موجود ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ہم نہ صرف صحت مند زندگی گزار سکتے ہیں بلکہ بہت سی مہلک بیماریوں سے بھی محفوظ رہ سکتے ہیں۔آج ہم جس دور میں رہ رہے ہیں یہ سائنس کے عروج کا دور ہے اور اس طرح میڈیکل نے بھی بہت ترقی کی ہے اور ئے روزہ علاج کا بھی نیا طریقہ متعارف ہوا ہے اور دین اسلام نے انسان کی صحت اور تندرستی کا اہتمام کرتے ہوئے کسی مرض کی حالت میں علاج و معالجہ کی ترغیب دی ہے اور اسکی اہمیت مقاصد شرعیہ میں سے حفظ البدن اور جیسے مقاصد کی حفاظت سے تعلق کی وجہ سے اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ امراض اور حوادث کی کثرت کی وجہ سے دن بدن مختلف شعبہ جات میں ماہرین امراض کی بڑھتی ہوئی ضرورت نے جہاں حکومتوں کو میڈیکل اداروں کو ترقی دینے کی طرف متوجہ کیا ہے وہاں اس ترقی یافتہ دور کی ضروریات اور نئی بیماریوں کے علاج کو مد نظر رکھتے ہوئے جدید ترین طبّی آلات اور مشینوں کو نصب کرنے کی ضرورت بھی پیش آئی ہے۔ علاج و معالجہ کی ضرورت کی غرض سے نئی امراض کے علاجات اور ادویہ سازی کے کاموں میں بہت زیادہ ترقی ہوئی ہے کہ اب کوئی ایسی مرض نہیں جس کو لا علاج کہا جاسکے، اور ایسی ادویہ تیار کر لی گئی ہیں کہ آج کا انسان ان کے بارے میں حیران ہے۔ مثلاً وہ ادویہ جن کو زہر کی مدد سے تیار کیا گیا ہے اسی طرح وہ ادویہ جن میں شراب خنزیر کا گوشت اور چربی شامل ہو، اور وہ ادویہ جن کو الکحل کی مدد سے تیار گیا ہو۔

اسی طرح علاج کے مختلف طریقے ہیں جن میں انسانی اعضاء کا ایک دوسرے کی طرف انتقال ہے انسانی اعضاء کا ایک دوسرے کو ہدیہ کرنا شامل ہے۔ اسی طرح ضرورت و حاجت کی صورتوں میں عورۃ (ستر) کا ننگا کرنا فوت ہونے والی حاملہ عورت کے پیٹ سے بچے کو نکالنا مصنوعی پیدائش نسل کے طریقوں کو استعمال کرنا وغیرہ بھی ایسے طرق علاج ہیں کہ جنہیں اگر استعمال نہ کیا جائے تو مریض کو نقصان پہنچ سکتا ہے لہذا ایسی صورتوں میں مریض کے لیے آسانی کی تدابیر کیا ہو سکتی ہیں اور اس مشقت کو کس طرح ختم کیا جاسکتا ہے ؟ انہی صورتوں کے پیش نظر مریض کے نقصان کے ازالے کے لیے اور اسے آسانی دینے کے لیے جن فقہی اور شرعی قواعد کی مدد لی جاسکتی ہے ان کو بیان کیا جائے گا۔ چونکہ مریض کو ہونے والے نقصانات کسی مرض کی وجہ سے ہو سکتے ہیں اور ہر مرض کے علاج کے لیے دوائی ہے، چنانچہ پہلے مرض کا مفہوم بیان کیا جائے گا اور پھر علاج معالجہ کی مشروعیت بیان کر کے طبّی علاج معالجہ میں ہونے والے نقصانات کے ازالے کے لیے اور مریض سے رفع الحرج کے لیے جن قواعد سے استفادہ کیا جاسکتا ہے ان کو بیان کیا جائے۔ تو اس مقالہ میں بھی تفہیم مسائل سے طبّی مسائل کا منہج استدل کا جائزہ تخریج اور معاصر فتاوی کے ساتھ تقابلی جائزہ پر گفتگو کی جائی گی ان شاءاللہ۔

مولانا گوہر رحمٰن: حیات وخدمات

مولانا گوہر رحمٰن رحمہ اللہ ۱۹۵۳ھ بمطابق ۱۹۳٦ء میں مانسہرہ میں ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام مولوی شریف اللہ مرحوم جو کہ ایک عالم دین تھے۔ شیر گڑھ کے علاقے گوبھائی تحصیل اوگی مانسہرہ میں امامت اور دینی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ کے جد امجد مولانا عبدالکریم مشہور عالم دین اور عظیم مجاہد تھے جنہوں نے اخون بابا کے ساتھ ملکر سکھوں کے خلاف جہاد کیا تھا۔

تفہیم المسائل

شیخ القرآن مولانا گوہر رحمٰن رحمہ اللہ کی تصنیفات میں ان کی چھ جلدوں میں شائع شدہ تفہیم المسائل فقہی مسائل پر ایک لاجواب کتاب ہے۔ انہوں نے سینکڑوں فقہی مسائل کا حل شریعت کی روشنی میں عمدہ طریقے سے پیش کیا ہے۔ ملک بھر سے اور بیرون ملک سے بھی ان کے شاگرد عقیدت مند اور عام مسلمان ان سے پیش آمدہ مسائل کے حل اور شریعت کی روشنی میں اطمینان جواب کے لئے رجوع کرتے تھے اور وہ نہایت عمدگی کے ساتھ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب دیتے تھے۔ ان سب سوالات کو اختصار کے ساتھ اور جوابات کو وضاحت کے ساتھ چھ جلدوں میں بیان

کر دیا گیا ہے۔ نیز بعض فقہی مسائل پر مولانا گوہر رحمٰن رحمہ اللہ کے مقالات کو بھی ان کتابوں میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اس طرح ان کتب کی افادیت میں بہت اضافہ ہو گیا۔ تفہیم المسائل میں جدید فقہی مسائل کو آسان انداز میں حل کر دیا گیا ہے۔ اور قدیمی فقہی مسائل میں تمام مکاتب فکر کا خاص خیال رکھ کر راجح قول کو اپنارائے پیش کر کے عملی جامہ پہنایا ہے۔ تمام مسالک کے اقوال کو بیان کر کے آخر میں قول راجح بھی بیان کی گئی ہے۔ کسی خاص فرقے کی طرف داری نہیں کی گئی ہے بلکہ ہر مسئلے پر ائمہ اربعہ کے دلائل پیش کر دیئے گئے ہیں۔ تفہیم المسائل تین ہزار سے زائد صفحات اور چھ جلدوں پر مشتمل فقہی مسائل کی مستند کتاب تفہیم المسائل جس میں زندگی کے ہر شعبے کے مسائل کا حل شریعت کی روشنی میں عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

مولانا کا منہج استدلال

شیخ گوہر رحمٰنؒ کا منہج یہ ہے کہ وہ پہلے قرآن اور سنت سے دلیل لیتے ہیں اور یہ سلف صالحین کا طریقہ ہے۔

1. وہ اطمنان بخش جواب دیتے ہیں۔
2. سائل کے ذہن میں جو اشکال ہوں ان کو بھی دور کرتے ہیں۔
3. جہاں تفصیل کی ضرورت ہوتی ہے وہاں تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔
4. وہ عقلی دلیل بھی دیتے ہیں اور مناسب جگہ پر عقلی اور نقلی دلیل دونوں کو ذکر کرتے ہیں۔
5. طبّی مسائل میں زیادہ تر قواعد کلیہ سے استدلال کیا ہیں۔
6. سوالات اختصار کے ہوں لیکن جوابات وضاحت کے ساتھ دیتے ہیں۔
7. جدید فقہی مسائل کو آسان انداز میں حل کر دیئے گیئے ہیں۔
8. اور قدیم فقہی مسائل میں تمام مکاتب فکر کا خاص خیال رکھ کر راجع قول بیان کئے ہیں۔
9. تمام مسالک کے اقول کو بیان کر کے آخر میں قول راجع بھی بیان کئے گیئے ہیں۔
10. کسی خاص مسلک کی طرف داری نہیں کی گئی ہے بلکہ ہر مسئلے پر ائمہ اربعہ کے دلائل پیش کر دیئے گئے ہیں۔

طبّی مسائل کا منہج استدلال، تخریج اور معاصر فتاویٰ کے ساتھ تقابلی جائزہ

جلد اول میں اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن آف پاکستان کے سولات کے درج ذیل عنوانات کا جوابات دئے گئے ہیں۔

تفہیم المسائل: جلد اول

انسانی خون کا استعمال:

مولانا گوہر رحمٰنؒ نے پہلے خون دینے کا مسئلہ ذکر کیا ہے کیونکہ اعضاء کی پیوند کاری سے خون دینے کا حکم الگ ہے اس لئے کہ خون لینے میں نہ جسم کی چیر پھاڑ نہ کاٹ چھاٹ کی ضرورت پڑتی ہے بلکہ انجکشن کے ذریعے نکالا جاتا ہے اور انجکشن ہی کے زریعے جسم میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں انسان اور جانوروں کے خون کو ناپاک ہونے کی وجہ سے حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور مندرجہ ذیل آیات کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ[1]۔ اللہ کی طرف سے اگر کوئی پابندی تم پر ہے تو وہ یہ ہے، کہ مردار نہ کھاؤ، خون سے اور سُور کے گوشت سے پرہیز کرو، اور کوئی ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کے سِوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ ہاں جو شخص مجبوری کی حالت میں ہو اور وہ ان میں سے کوئی چیز کھالے بغیر اس کے کہ وہ قانون شکنی کا ارادہ رکھتا ہو یا ضرورت کی حد سے تجاوز

---

[1]۔ القرآن ۲/۱۸۳

کرے، تو اس پر کچھ گناہ نہیں، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ [2] تم پر حرام کیا گیا ہے مردار کا خون سور کا گوشت وہ جانور جو خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ [3] ۔اے محمد ﷺ ان سے کہو کہ جو وحی میرے پاس آئی ہے اس میں تو میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر حرام ہو، اِلّا یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہایا ہوا خون ہو، یا سُور کا گوشت ہو کہ وہ ناپاک ہے، یا فسق ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ پھر جو شخص مجبوری کی حالت میں (کوئی چیز ان میں سے کھالے) بغیر اس کے کہ وہ نافرمانی کا ارادہ رکھتا ہو اور بغیر اس کے کہ وہ حدِ ضرورت سے تجاوز کرے، تو یقیناً تمہارا رب درگذر سے کام لینے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ [4] ۔اللہ نے جو کچھ تم پر حرام کیا ہے وہ ہے مردار اور خُون اور سُؤر کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ البتہ بھُوک سے مجبور ہو کر اگر کوئی اِن چیزوں کو کھالے، بغیر اس کے کہ وہ قانونِ الٰہی کی خلاف ورزی کا خواہش مند ہو یا حدِ ضرورت سے تجاوز کا مرتکب ہو تو یقیناً اللہ معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔

مذکورہ آیات سے مولانا صاحب نے استدلال کیا ہے کہ جب متبادل موجود ہو اور مریض کی موت کا خطرہ بھی نہیں محض قوت بڑھانے اور حُسن پیدا کرنے کے لیے خون دینا ایک حرام چیز کا بلاضرورت استعمال ہو گا. جو جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: عن أم الدرداء عن أبي الدرداءقال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله أنزل الداء والدواء وجعل لكل داء دواء فتداووا ولا تداووا بحرام [5]۔ ابی درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے بیماری اور دوا (علاج) دونوں کو اتارا ہے اور ہر بیماری کی ایک دوا پیدا کی ہے لہٰذا تم دوا کرو لیکن حرام سے دوا نہ کرو۔

مذکور آیات اور حدیث مولانا شیخ گوہر رحمٰنؒ نے بطور دلیل نقل کی ہے کہ اُن آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خون کا استعمال جائز نہیں ہے کیونکہ یہ حرام ہے اور حرام چیز سے علاج کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن پھر مولانا شیخ گوہر رحمٰنؒ نے مذکورہ چار آیات پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اُن آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اضطراری حالت میں وہ چیزیں حلال ہیں جن کا ذکر ان آیات میں ہوا ہے اور اُن میں خون بھی شامل ہے ۔ بشرطیہ کہ حقیقی ضرورت ہو اور ضرورت سے زائد یہ چیزیں استعمال نہ کی جائیں اور اس میں مسلمان اور کافر کا فرق بھی نہیں ہے اور نہ میاں بیوی کا فرق ہے۔ وجہ یہ ہے کہ پہلے ان آیات میں خون مطلقاً حرام قرار دیا اور پھر حالت اضطرار میں مطلقاً حلال قرار دیا گیا۔

مسئلہ نمبر 1:- یہ ہے کہ حالت اضطرار میں خون دینا یا دوسری حرام چیزوں کا استعمال بقدر ضرورت تو بالاجماع جائز ہے دلیل مذکورہ آیات قرآنیہ سے ثابت ہے۔

مسئلہ نمبر 2:- یہ ہے کہ موت کا خطرہ نہ ہو مگر بیماری اور تکلیف شدید ہو اور متبادل دوائی موجود نہ ہو تو کیا اس حالت میں خون دینا اور دیگر حرام چیز کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

---

[2] ۔ القرآن ۳/۵

[3] ۔ القرآن ۱۴۵/۶

[4] ۔ النحل ۱۱۵/۱۶

[5] ۔ ابوداود سلیمان بن اشعث بن اسحاق، سنن أبي داود، (بیروت: المكتبة العصرية، ۲۰۲۰)، حدیث نمبر، ۳۸۷۴

اس بارے میں متاخرین فقہاء حنفیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر ظن غالب یہ ہو کہ خون دینے سے مریض صحت یاب ہو جائے گا اور متبادل دوا میسر نہ ہو تو خون یا دوسری کسی حرام چیز کا استعمال جائز ہے۔ اور مذکورہ حدیث کی توجیح یہ ہے کہ یہ اس صورت کے متعلق ہے کہ جب اضطراری حالت نہ ہو یعنی موت کا خطرہ اور شدت مرض نہ ہو اور متبادل دوا میسر ہو۔

جیسا کہ فتاویٰ الھندیہ میں ہے کہ: يجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفاءه فيه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه (6) بغرض علاج مریض کے لئے خون پیشاب اور مردار کھانا بغرض علاج اس صورت میں جائز ہے جب اسے مسلمان ڈاکٹر بطور علاج تجویز کریں اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا جائز متبادل علاج نہ ہو۔

معاصر فتاویٰ کے ساتھ تقابلی جائزہ:

رسائل ومسائل:

رسائل و مسائل میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ آدمی کی جان بچانے کے لیے اس کے جسم میں خون داخل کرنا میرے نزدیک تو حلال ہے میں نہیں سمجھ سکا کہ اس کو حرام کہنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ غالباً اسے خون پینے اور خون کھانے پر قیاس کر کے کسی صاحب نے حرام کہا ہو گا۔ لیکن میرے نزدیک ان دونوں چیزوں میں فرق ہے۔ غذا کے طور پر خون پینا اور کھانا بلاشبہ حرام ہے۔ مگر جان بچانے کے لیے مریض یا زخمی آدمی کے جسم میں خون داخل کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح حالت اضطراری میں مردار یا خنزیر کھانا "(7)

جدید فقہی مسائل:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانیؒ فرماتے ہیں کہ خون کا استعمال تین شرائط کے ساتھ جائز ہے:

1. خون کے علاوہ کوئی دوسری متبادل دوا نہ ہو جس سے مریض کی جان بچ سکے یا صحت یاب ہو سکے۔
2. کوئی ماہر طبیب خون کے استعمال کو ناگزیر قرار دے دے۔
3. محض قوت یا جسمانی حسن میں اضافہ مقصود نہ ہو کہ یہ ضرورت کے درجہ کی چیز نہیں ہے۔ اس طرح اگر کوئی ایسی دوا موجود ہے جس کے استعمال سے صحت میں بھی بہتری آتی ہے کہ جس کے استعمال سے خون کے احتر ض کیا جائے تو ایسی صورت میں حرام چیزوں سے علاج کے جائز ہونے اور نہ ہونے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔(8)

آپ کے مسائل اور اُن کا حل:

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے آپ کی مسائل اور اُن کا حل میں خون دینے اور چڑھانے کے لیے چار شرائط ذکر کی ہیں اگر یہ چار شرائط نہ ہوں تو پھر جائز نہیں ہے۔

شرط نمبر: 1 جب مریض اضطراری حالت میں ہو اور ماہر ڈاکٹر کی نظر میں خون دیئے بغیر اس کی جان بچانے کا کوئی راستہ نہ ہو تو خون دینا جائز ہے۔

شرط نمبر: 2 جب ماہر ڈاکٹر کی نظر میں خون دینے کی حاجت ہو یعنی مریض کی ہلاکت کا خطرہ نہ ہو لیکن اس کی رائے میں خون دیئے بغیر صحت کا امکان نہ ہو تب بھی خون دینا جائز ہے۔

6۔ علماء ہند، الفتاوی الھندیۃ في مذھب الإمام الأعظم أبي حنیفۃ، (بیروت: دار الفکر، ۲۰۱۸)، ۳۵۵/۵

7۔ ابو الاعلی مودودی، رسائل ومسائل، (لاہور: اسلامک پبلیکیشیز، ۲۰۲۰)، ۶۵۷

8۔ خالد سیف اللہ رحمانی، جدید فقہی مسائل، (کراچی: زمزم پبلیشرز، ۲۰۱۱)، ۱: ۲۱۶

شرط نمبر:3 جب خون نہ دینے کی صورت میں ماہر ڈاکٹر کے نزدیک مرض کی طوالت کا اندیشہ ہو اس صورت میں خون دینے کی گنجائش ہے مگر اجتناب بہتر ہے۔

شرط نمبر:4 جب خون دینے سے محض منفعت یا زینت مقصود ہو یعنی ہلاکت یا طولت کا اندیشہ نہ ہو بلکہ محض قوت بڑھانا یا حسن میں اضافہ کرنا مقصود ہو تو ایسی صورت میں دینا ہرگز جائز نہیں۔(9)

فتاوی کے مابین موازنہ

مذکورہ علماء کی آراء سے معلوم ہوتا ہے کہ خون دینا جائز ہے لیکن درجہ ذیل شرائط کے ساتھ:

1. پہلی شرط یہ ہے کہ موت کا خطرہ ہو تو اس حالت میں باالاتفاق خون دینا جائز ہے
2. دوسری شرط یہ ہے کہ موت کا خطرہ نہ ہو لیکن مرض میں طوالت کا خطرہ ہو تو اس صورت میں بھی جائز ہے۔
3. تیسری شرط یہ ہے کہ خون کے علاوہ دوسری متبادل دوا موجود نہ ہو جس سے مریض صحت یاب ہو سکے۔
4. چوتھی شرط یہ ہے کہ کوئی ماہر ڈاکٹر خون کا استعمال کو ناگزیر قرار دے۔
5. پانچویں شرط یہ ہے کہ موت کا خطرہ بھی نہ ہو بیماری بڑھنے کا خطرہ بھی نہ ہو لیکن شفایاب نہ ہونے کا خطرہ ہو۔

فرق: صرف مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ فرماتے ہیں کہ اگر مرض کی طوالت کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں بھی خون دینے کی گنجائش ہے مگر اجتناب بہتر ہے ان کے علاوہ اور علماء کی عبارت سے یہ معلوم نہیں ہوتا۔ جو علماء شرائط نہیں لگاتے، جیسا مولانا مودودی اور مولانا شیخ گوہر رحمنؒ تو ان کی عبارت سے بھی یہ شرائط معلوم ہوتی ہیں لیکن ان علماء نے نمبر وائز ذکر نہیں کیا ہے۔

راقم کے رائے: مقالہ نگار کی نزدیک مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی رائے بہتر ہیں وجہ یہ ہیں کہ اگر اس طرح کسی بھی صورت میں لینا جائز نہ ہو جائے تو پھر جو لوگ بلڈ بنک میں اس کی حفاظت کی زمہ داری لیتے ہیں تو پھر اور جو لوگ خون دینے کی لئے تیا ہوتے ہیں مریض کو خون دیتا

تفہیم المسائل جلد اول: خون کا بنک۔

بلڈ بنک موجودہ دور کی اشد ضرورت:

بلڈ بینک اس وقت ایک ضرورت ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ انسان کبھی بھی کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اور اسے خون کی ضرورت پڑ سکتی ہے پھر ہر آدمی کا خون ہر آدمی کے جسم کے لیے موزون نہیں ہوتا۔ بلکہ ضروری ہے کہ اجزء کے لحاظ سے خون کا گروپ یکساں ہو اس کے بغیر جسم دوسرا خون قبول نہیں کرتا ہے بلڈ بنک پہلے سے مختلف نوعیت کا علیحدہ علیحدہ خون رکھتے ہیں جن سے بہ سہولت مریض کے لیے مناسب خون لیا جا سکتا ہے۔ ہر مریض لے لیے بر وقت رضاکارانہ خون دینے والے مہیا ہو جائیں اولاً تو یہی مشکل ہے اور اس سے زیادہ دشوار یہ ہے کہ ان کا خون مریض کے لیے موافق بھی ہو جائے اس لئے ایسے بنک ایک طبّی ضرورت بن گئے ہیں۔ اور ''الضرورات تبیح المحظورات'' قاعدہ کے پیش نظر خون بنک کا قیام ضرورت کی وجہ سے درست ہے۔

مولانا گوہر رحمٰن خون بنک کے متعلق مؤقف یہ ہیں کہ اضطراری حالت میں مریض کو خون دینا تو جائز ہے مگر خون فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ انسانی اجزء کو مال تجارت بنانا انسانی کرامت و شرافت کے خلاف ہے جس کی تجارت جائز نہیں ہے لیکن اگر مفت خون نہ ملتا ہو تو مجبوراً خریدنا جائز ہوگا۔ البتہ بیچنے

9 محمد یوسف لدھیانوی، آپ کی مسائل اور اُن کا حل، (کراچی: مکتبہ لدھیانوی، ۲۰۱۱)، ۳۴۲،۴

ولا چونکہ بیچنے پر مجبور و مضطر نہیں ہے اس لیے وہ گناہ گار ہوگا اور خون سے حاصل شدہ رقم اس کے لیے حلال نہیں ہے تجارت بنائے بغیر خون بنک قائم کرنا جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے تاکہ بوقت اضطرار مریضوں کو خون باآسانی اور بلا قیمت مل سکے۔(10)

معاصر فتاویٰ کے ساتھ تقابلی جائزہ:

جدید فقہی مسائل:

جدید فقہی مسائل میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانیؒ خون کی فروخت کے بارے میں فرماتے ہے: کہ خون کو فروخت کرنا جائز نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے: عن أبي حجيفة أن النبي صلى الله عليه و سلم نهى عن ثمن الدم وثمن الكلب وكسب البغي ولعن آكل الربا وموكله والواشمة والمستوشمة والمصور[11] حضرت ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خون کی قیمت کتے کی قیمت اور بدکار عورت کی اجرت کے طور پر حاصل ہونے والے مال کے استعمال سے منع فرمایا ہے اور آپ نے سود لینے والے اور سود دینے والے گودنے والی اور گودوانے والی اور تصویر بنانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

تاہم اگر طبّی اغراض کے تحت خون چڑھانا ضروری ہو جائے اور بلا عوض حاصل نہ ہو سکے تو چونکہ ضرورت کی وجہ سے بقدر ضرورت ناجائز چیزیں جائز ہو جاتی ہیں اس لئے ایسی صورت میں خریدار کا معاوضہ دے کر خون حاصل کرنا حلال ہے اور گناہ معاوضہ لینے والے پر ہے ہاں از راہ ترغیب اس کار خیر میں حصہ لینے والے کو بطور انعام و تحفہ کے کچھ دے دیا جائے تو کوئی حرج نہیں کہ یہ تبرعات کے قبیل سے ہے نہ کہ معاوضات کے۔

فتاویٰ جات کے مابین موازنہ:

مولانا گوہر رحمٰن خون بنک کے بارے میں فرماتے ہے کہ اضطراری حالت میں مریض کو خون دینا جائز ہے مگر فروخت کرنا جائز نہیں اور وجہ یہ ہے کہ یہ انسانی کے اجزاء ہے اور انسانی اجزاء کو مال تجارت بنانا کرامت انسانی کے خلاف ہے اگر کسی ضرورت مند کو خون مفت میں نہیں مل رہا ں تو اس کے لئے خریدنا جائز ہے اور بھیجنے والا ہے اس کے لیے یہ جائز نہیں کیونکہ وہ مضطر نہیں ہے۔اور خون بنک قائم کرنا ایک مستحسن کام ہے تاکہ اس سے لوگوں کو بروقت اور بلا قیمت خون مل سکئے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانیؒ فرماتے ہے اگر بلا عوض نہ مل سکے تو اس ضرورت کی وجہ سے بقدر ضرورت ناجائز چیز جائز ہوتے ہے تو خریدنا بھی جائز ہے اور گناہ بھیجنے والے پر ہو گا ہاں اگر بطور انعام یا تحفہ دیتا ہے تو کوئی حرج نہیں۔

فرق: فرق یہ ہے کہ مولانا شیخ گوہر رحمٰن نے یہ قید نہیں لگایا کہ اگر بطور انعام یا تحفہ خون کی قیمت دے رہا ہو تو کوئی حرج نہیں لیکن مولانا خالد سیف اللہ رحمانیؒ فرماتے کہ بطور انعام یا تحفہ دیتا ہے تو کوئی حرج نہیں۔

تفہیم المسائل جلد اول: آرام دہ موت

(الف) ایک فرد کی موت کب واقع ہوتی ہے۔

مولانا گوہر رحمٰنؒ انسان کی موت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب روح جسم سے نکل جائے اور ادراک و شعور کی قوت مستقل طور پر ختم ہو جائے تو اس حالت کا نام ہے موت۔روح انسانی تو جسم لطیف ہے۔لیکن روح حیوانی گردش خون سے پیدا ہوتی ہے جس حالت کو آپ نے ذہنی موت کا نام دیا ہے اس حالت میں اگر خون کی گردش فطری طور پر از خود ہو رہی ہو۔اگرچہ دماغ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ چکا ہو اور وہ کام نہ کر سکتا ہو پھر بھی مریض زندہ متصور ہوگا۔لیکن اگر خون کی گردش مصنوعی آلات کے ذریعے ہو رہی ہو اور ادراک و شعور کی قوت مستقل طور پر ختم ہو چکی ہو تو موت واقع ہو گی باقی

---

10 ۔ گوہر رحمٰن، تفہیم مسائل، (مردان: تفہیم القرآن، ۲۰۱۶)، ۲۶۹/۱

11 ۔ محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحيح للبخاري(بيروت:دار طوق، ۲۰۲۱)، ح ۵۷۶۱

رہااس مصنوعی گردش کے دوران دل گردے اور دوسرے اعضاء حاصل کرنا وہ تو سرے سے جائز ہی نہیں ہے اور اس نوع کی وصیت کرنا بھی خلاف شریعت ہے۔(12)

(ب) آرام دہ موت

مولانا گوہر رحمٰنؒ آرام دہ موت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے یہ ایجاد کی ہے ان کی رائے جو بھی ہو مگر شرعاً جب تک مریض کے جسم میں روح کے آثار موجود ہوں اس وقت تک وہ زندہ شمار ہوگا اور شخص کو قتل کرنا حرام ہے۔ایسے طبّی اقدامات کرنا جن سے مریض کی موت واقع ہو جائے قتل نفس بغیر حق ہی کی تعریف میں آتے ہیں بشر طیکہ جان بوجھ کر عمداً کیے ہوں لیکن اگر عمداً ایسے اقدامات نہ کیے گئے ہوں مگر ڈاکٹروں کی غلطی سے ایسا اقدام ہو گیا ہو جو مریض کی موت کا ذریعہ بن گیا ہو تو یہ قتل عمد تو نہیں ہے لیکن قتل خطاء ہے۔شریعت میں یہ گنجائش نہیں ہے کہ لاعلاج مریض یا شدید درد میں مبتلا مریض کو قتل کر دیا جائے۔(13)

اسی طرح بخاری شریف میں ہے۔عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من تردى من جبل فقتل نفسه فهو في نار جهنم يتردى فيه خالدا مخلدا فيها أبدا ومن تحسى سما سما فقتل نفسه فسمه في يده يتحساه في نار جهنم خالدا مخلدا فيها أبدا ومن قتل نفسه بحديدة فحديدته في يده يجأ بها في بطنه في نار جهنم خالدا مخلدا فيها أبدا[14] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے پہاڑ سے اپنے آپ کو گرا کر خودکشی کر لی وہ جہنم کی آگ میں ہوگا اور اس میں ہمیشہ پڑا رہے گا اور جس نے زہر پی کر خودکشی کر لی وہ زہر اس کے ساتھ میں ہوگا اور جہنم کی آگ میں وہ اسے اسی طرح ہمیشہ پیتا رہے گا اور جس نے لوہے کے کسی ہتھیار سے خودکشی کر لی تو اس کا ہتھیار اس کے ساتھ میں ہوگا اور جہنم کی آگ میں ہمیشہ کے لیے وہ اسے اپنے پیٹ میں مارتا رہے گا۔

معاصر فتاویٰ کی ساتھ تقابلی جائزہ:

رسائل ومسائل:

رسائل ومسائل میں مولانا مودودیؒ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کسی مریض کو آرام دہ موت دی تو اس پر قتل کا الزام آئے گا۔ اس معاملہ میں نیت بخیر ہونے کا کوئی سوال نہیں ہے۔جس جان کا وہ مالک نہیں ہے اور جس کے خلاف کوئی شرعی حق بھی قائم نہیں ہوا ہے، اس کو اگر اس نے قصداً ہلاک کیا ہے تو وہ قطعی طور پر قتل عمد کا مجرم ہے۔طبیب کو اللہ نے جو علم دیا ہے اس کی غرض انسانی جان کی حفاظت کے لیے کوشش کرنا ہے نہ کہ اس کی موت کے لیے۔جب تک کسی شخص کے اندر زندگی موجود ہو، طبیب کا فرض ہے کہ اسے بچانے کی کوشش کرتا رہے، اور جس حد تک اس کے امکان میں ہو، اس کی تکلیف کو کم کرنے کے لیے بھی سعی کرے۔لیکن یہ بات ایک طبیب کے اخلاقی و شرعی حدود عمل سے بالکل خارج ہے کہ وہ اس امر کا فیصلہ کرے کہ کون آدمی ہلاک کر دیے جانے کا مستحق ہے بلکہ یہ بات خود اس مریض کے اپنے حدود اختیار سے بھی باہر ہے کہ وہ اپنی زندگی کو ختم کرنے کا فیصلہ کرے۔اس لیے اگر مریض کا اپنا مطالبہ بھی ہو تب بھی طبیب کے لیے ایسا کوئی فعل ہر گز جائز نہیں ہے جو اسے ہلاک کرنے کی خاطر ہو۔علاوہ بریں یہ بھی ایک قطعی غلط مفروضہ ہے کہ کوئی ڈاکٹر کسی مریض کے بارے میں یہ بالکل یقین کے ساتھ جان سکتا ہے کو وہ ضرور مر جائے گا۔ایسی مثالیں نادر نہیں ہیں جن میں ایک طبیب نے نہیں بلکہ متعدد طبیبوں نے بالائے اتفاق رائے قائم کی ہے کہ مریض نہیں بچے گا۔اور پھر ان کے اندازوں کے بالکل خلاف اس کی جان بچ گئی ہے۔اس لیے جو ڈاکٹر محض اندازے سے کسی شخص کی جان بر ہونے کا فیصلہ کرے گا۔اور اس کی تکلیف دور کرنے کے لیے اسے ہلاک کر دے

12۔ گوہر رحمن، تفہیم المسائل، ج ۱: ۲۴۲،

13۔ گوہر رحمن، تفہیم المسائل، ۱: ۲۶۵،

14۔ محمد بن اسماعیل بخاری ،الجامع الصحيح للبخاري، ۷، ۱۶۹

گا۔ وہ دراصل ایک بہت بڑا ظلم اپنی گردن پر لے گا۔ اپنے علم پر ایسے بے جا اعتماد ایک کافر ڈاکٹر تو کر سکتا ہے مگر یہ ایک مسلمان ڈاکٹر کے کرنے کا کام نہیں ہے۔(15)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانیؒ کے نزدیک آرام دہ موت کی دو اقسام ہیں۔

1. ایسی دواؤں کا استعمال کرنا جو زندگی کو ختم کردیں۔
2. زندگی کو طویل دینے والی دواؤں اور معالجہ سے پرہیز۔
3. ایسی دواؤں کا استعمال کرنا جو زندگی کو ختم کردیں۔

اسلام کا تصور یہ ہے کہ انسان اپنی اصل کے اعتبار سے کائنات کی کسی شیئے کا یہاں تک کہ خود اپنا مالک بھی نہیں ہے، اس لئے جس طرح اس کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ کسی دوسرے کی زندگی ہلاک کردے یا اس کے جسم کو جزوی نقصان پہنچائے۔ اسی طرح یہ بات بھی روست نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہلاک کرکے اور کسی شرعی مصلحت کے بغیر اپنے کسی حصہ جسم کو ہی ضرر پہنچائے۔ اس کا جسم دراصل اس کے ہاتھوں میں اللہ کی امانت ہے۔ جس کی حفاظت اس کا فریضہ ہے اور جس کا استعمال اس کو حکم خداوندی کے مطابق کرنے کی اجازت ہے مگر اس نوعیت کا تصرف کسی طور پر جائز نہیں ہے۔ غرض کسی مصلحت کے تحت مریض کی اپنی اجازت سے اس کے علم واطلاع کے بغیر ایسی مہلک دواؤں کا استعمال جائز نہیں اور جہاں تک یہ مصلحت ہے کہ اس کے متعلقین کہ اس کو نجات ملے تو یہ عمل اسلام کے بھی خلاف ہے اور انسانیت کے بھی خلاف ہے۔

(۲) زندگی کو طویل دینے والی دواؤں اور معالجہ سے پرہیز۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانیؒ اس کے باری میں فرماتے ہیں کہ کسی شخص کا علاج اس وجہ سے نہ کرنا کہ اس کو از خود موت آجائے میرے خیال میں یہ صورت بھی جائز نہیں۔ ہاں اگر علاج پر قادر نہیں ہے تو اس کا حکم الگ ہے اگر علاج کی طاقت ہے اور لاپرواہی جان بوجھ کر علاج نہ کرنا یہ جائز نہیں ہے اس طرح عملاً ایسا کرنے پر قتل نفس کا اطلاق ہوگا۔ اس طرح ایک زندہ انسان کے وجود کی ہلاکت ہو جائے اور یہ بجائے خود جائز نہیں ہے معالج تو کیا ایک عام انسان کا بھی یہ فریضہ ہے کہ دوسرے انسان کی حتی الوسع ہلاکت سے بچانے کی کوشش کرنی چاہے کہ اس کی زندگی بچ جائے(16)

فتاویٰ جات کے مابین موازنہ:

مذکورہ سب علماء کے فتاویٰ جات کا خلاصہ یہ ہے کہ مریض کے جسم میں جب تک زندگی کے آثار موجود ہوں تو یہ زندگی شمار ہوتی ہے۔ اگر کسی نے مارا تو اس پر قتل عائد ہوگا اور اسلام میں یہ گنجائش نہیں کہ لاعلاج یا شدید درد میں مبتلا مریض کو قتل کردیا جائے۔ کہ متعلقین یا ورثاء کو نجات ملے یہ عمل اسلام کے خلاف ہے اور جائز نہیں فرق کوئی نہیں علماء کے جوابات میں۔

تفہیم المسائل جلد اول: پوسٹ مارٹم:

الف: لاشوں کی چیر پھاڑ طبی مقاصد کے لئے:

انسانی اعضاء کی چیڑ پھاڑ سے تو حدیث میں بھی منع کیا گیا ہے جیسا کہ مندرج ذیل احادیث میں ہے۔

جیسا کہ بخاری شریف میں ہے:

15۔ ابو الاعلیٰ مودودی، رسائل ومسائل، ۶۵،۷

16۔ خالد سیف اللہ رحمانی، جدید فقہی مسائل، ۱: ۲۱۶

عدي بن ثابت سمعت عبد الله بن يزيد الأنصاري وهو جده أبو أمه قال نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن النهبى والمثلة(17) میں نے عبداللہ بن یزید انصاری رضی اللہ عنہ سے سنا جو عدی بن ثابت کے نانا تھے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹ مار کرنے اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا تھا۔عن أنس قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحث في خطبته على الصدقة وينهى عن المثلة(18) انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ اپنے خطبے میں صدقہ کی ترغیب دلاتے تھے اور مثلے سے روکتے تھے۔

عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال كسر عظم الميت ككسره حيا (19) عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ مردہ انسان کی ہڈی توڑنا ایسا ہی گناہ ہے جیسا کہ زندہ انسان کی ہڈی توڑنا۔اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں ہے: الانتفاع بأجزاء الآدمي لم يجز قيل للنجاسة وقيل للكرامة هو الصحيح كذا في جواهر الأخلاطي (20) انسانی اعضاء سے فائدہ اُٹھانا جائز نہیں کسی نے کہا کہ نجاست کی وجہ سے اور کسی نے کہا کہ کرامت کہ وجہ سے اور کرامت کی وجہ صحیح ہے. جیسا کہ جوہر خلاطی میں ہے :والآدمي محترم بعد موته على ما كان عليه في حياته فكما يحرم التداوي بشيء من الآدمي الحي إكراما له فكذلك لا يجوز التداوي بعظم الميت .قال صلى الله عليه وسلم كسر عظم الميت ككسر عظم الحي (21) انسان محترم ہے موت کے بعد بھی جب تک اس میں حیات ہو جس طرح دوا کے لئے انسان کی کوئی چیز زندگی میں اس کی اکرام کی وجہ سے جائز نہیں تو اس طرح جائز نہیں دوا کے لئے انسان کی ہڈیوں سے جیسا کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ مردہ انسان کے ہڈی توڑنا ایسا ہے جس طرح زندہ انسان کی۔

مولانا شیخ گوہر رحمٰنؒ نے یہ دلائل ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں لاشوں کی چیڑ پھاڑ ممنوع ہے ان احادیث میں مثلہ کی جو ممانعت آئی ہے ہیں اس میں طبّی مقاصد اور علم تشریح الابدان کو مستثنیٰ نہیں کیا ہے تو یہ کا ناجائز ہے۔اور جو آپریشن ہوتے ہیں یہ علاج کے لئے ہوتے ہیں اعضاء کے استعمال کے لیے نہیں ہوتا ممنوع چیز یہ ہے کہ اعضاء کو اشیاء مستعملہ بنا دیا جائے۔

ب: پوسٹ مارٹم:

پوسٹ ماٹم کی تعریف:

پوسٹ ماٹم لاطینی زبان میں لفظ'' Mortem ''موت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔اصطلاحی معنوں میں موت کی وجوہات جاننے کے لئے لاش کے مکمل طبّی معائنہ کو پوسٹ مارٹم کہتے ہیں۔ میڈیکل سائنس کی اصطلاح میں اس عمل کو Autopsy کہتے ہیں۔لفظ آٹوپسی کا تعلق یونانی زبان سے ہے، جسے ''گواہ'' یا ''مشاہدۂ ذات'' کے معنوں میں لیا گیا ہے۔پوسٹ مارٹم کی تاریخ قدیم مصری اقوام سے جا کر ملتی ہے۔قدیم مصری لاشوں اور مختلف اعضاءِ بدن کو حنوط کرنے میں کمال مہارت رکھتے تھے اور یہ مصری ہی تھے جنہوں نے انسانوں کے علاوہ دیگر حیوانات کے اعضاء کا بھی انتہائی ی عمیق مشاہدہ کیا تھا۔ آٹوپسی ماہر اور سرٹیفائی ڈ پیتھالوجسٹ کے زیر نگرانی کی جاتی ہے۔ طبّی تحقیق و تفتیش کے حوالے سے لے جانے والے پوسٹ مارٹم کو کلینیکل / پیتھالوجیکل آٹوپسی کہتے ہیں اور قتل کی تحقیقات اور قانونی معاملات کے حوالے سے کی جانے والے پوسٹ مارٹم کو میڈیکولیگل آٹوپسی یا فارینسک پیتھالوجی کہا جاتا ہے، جبکہ انسانوں کے علاوہ دیگر حیوانات کے پوسٹ مارٹم کے لئے Necropsy کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

---

17 ۔ محمد بن اسماعیل بخاری جعفی، الجامع الصحیح للبخاري، ح: ۲۴۷۴

18 ۔ احمد بن شعیب بن علی نسائی ،السنن الكبرى(بيروت :مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۰)، ح: ۳۴۹۶۔

19 ۔ ابوداود، سنن أبي داود، ح، ۳۲۰۹

20 ۔ علماء ہند، الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة، ۵/۳۳۴

21 ۔ محمد بن ابی بکر سرخسی، المبسوط (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۷)، ۱۴۹

پوسٹ مارٹم کے آغاز پر باڈی کا ظاہری معائنہ کیا جاتا اور تفصیلات نوٹ کی جاتی ہے اور دوسرے مرحلے میں باڈی پر سینے سے ناف تک انگریزی حرف "Y" کی شکل کا چیرہ لگا کر اندرونی اعضاء کو جسم سے الگ کر کے انکا مکمل معائنہ کیا جاتا ہے اور سیمپل لے جاتے ہیں، اسکے علاوہ دماغ کو کوپڑی سے باہر نکال کر اسکا بھی تفصیلی معائنہ کیا جاتا ہے، بعد ازاں تمام اعضاء کو انکی جگہ پر واپس رکھ کر ٹانکے لگا دیے جاتے ہیں۔ اس دوران اگر کسی عضو یا ٹشو کو مزید تحقیق کے لئے محفوظ کرنے کی ضرورت پیش آئے تو یہ عضو یا ٹشو صرف اور صرف ورثاء کی اجازت سے محفوظ کی ئے جاتے ہیں۔ کیس کی نوعیت کے اعتبار سے مکمل آٹوپسی کے بجائے جسم کے کسی مخصوص حصے کی آٹوپسی بھی کی جاسکتی ہے۔ آٹوپسی کا طریقہ کار عالمی طبّی معیار کے اصولوں کے مطابق طے کیا گیا ہے، اس میں انسانی بدن کی تکریم اور ورثاء کے جذبات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ مزید یہ بھی کہ آٹوپسی کے بعد اس امر کو بھی یقینی بنایا جاتا ہے کہ لاش کی ظاہری حالت میں کوئی فرق نہ آئے۔(22)

انسانی جسم کا احترام جس طرح زندہ ہونے کی حالت میں لازمی ہے اسی طرح فوت ہونے کے بعد انسانی لاش زندہ جسم کی طرح قابل احترام ہے، چونکہ پوسٹ مارٹم کے طریقہ کار سے صاف واضح ہے کہ اس میں انسانی جسم کی چیر پھاڑ ہوتی ہے۔ اور لاشوں کی چیر پھاڑ ہونے سے انسانی جسم کی توہین لازم آتی ہے ۔اس وجہ سے بلا ضرورت پوسٹ مارٹم کرنا جائز نہیں ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا-(23) یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔

اسی طرح سنن ابن ماجہ میں حدیث مبارکہ ہے کہ: عن أم سلمة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال كسر عظم الميت ككسر عظم الحي في الإثم(24) کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ مردہ انسان کی ہڈی توڑنا ایسا ہی گناہ ہے جیسا کہ زندہ انسان کی ہڈی توڑنا۔

لیکن بعض وجوہات کے وجہ سے ضرورت کی مطابق علماء کرام نے مردہ کی چیر پھاڑ کرنے کی ایجازت دی ہے۔ جیسے عورت کا انتقال ہو جائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہو تو اس بچہ کو پیٹ چاک کر کے نکالا جائے۔ یا کوئی شخص کسی کی رقم نگل جائے اس کے بعد اسکا انتقال ہو جائے اور ترکہ میں اس قدر مال نہ چھوڑے جس سے اس کی رقم ادا کی جاسکے تو اس صورت میں بھی اس کا جسم چیر کر صاحبِ حق کو اسکا حق دیا جائے گا۔

فتاوی شامی میں ہے کہ: حامل ماتت وولدها حي يضطرب شق بطنها من الأيسرويخرج ولدها ولو بالعكس وخيف على الأم قطع وأخرج ولو ميتا وإلا لا كما في كراهة الاختيارولو بلع مال غيره ومات هل يشق قولان والأولى نعم فتح.(25)

پوسٹ ماٹم کی باری میں مولانا گوہر رحمنؒ نے لکھا ہے: کہ اگر واقعی ضرورت ہو تو بقدر ضرورت اجازت دی جاسکتی ہے۔ اور میری ناقص رائے تو یہ ہے کہ پوسٹ مارٹم میں کوئی زیادہ چیر پھاڑ نہیں کی جاتی بلکہ موت کے سبب کو معلوم کرنے کے لئے ضروری حد تک جسم کو کھولا جاتا ہے اور اس کا مقصد موت کی توہین اور بے حرمتی نہیں ہے بلکہ موت کا سبب معلوم کرنا ہے تو اس لئے ضروری حد تک اجازت دی جاسکتی ہے۔(26)

22۔ مہناز اختر، پوسٹ مارٹم کیا ہے اور کیوں ضروری ہے؟، تاریخ رسائی: ۱۶ نومبر ۲۰۲۴۔
https://mutabadil.com/%D -۹%B۹%D۳%B۸%D۸۸%۹%BE%D۹
-۸۵%۹%D۹%B۹%D۱%B۸%D۷%A۸%D۸۵%۹%D

23۔ القرآن: ۱۷: ۷۰

24۔ ابو عبداللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ (قاہرہ: مكتبة أبي المعاطي، ۲۰۱۶)، ۲: ۱۱۵

25۔ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۲م)، بَابُ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ، مطلب في دفن الْمَيِّتِ، ۲/ ۲۳۸

26۔ گوہر رحمان، تفہیم المسائل، ۱، ۱: ۲۶۶

جدید فقہی مسائل میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانیؒ فرماتے ہیں کہ :اسی طرح مولانا خالد سیف اللہ رحمانیؒ نے لکھا ہے کہ "پوسٹ مارٹم اگر کوئی ضرورت کے پیش نظر ناگزیر ہو جائے تو جائز ہے مثلاً مقدمہ کی تحقیق کے لئے موت کی وجہ معلوم کرنی ہو، یا کوئی شخص اپنا اندرونی عضو ہبہ کردے اور علماء اس کے جواز کا فتویٰ دے دیں اس لئے اس عضو کو نکالنا وغیرہ" (27)

رسائل ومسائل میں مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں کہ ۔ایک طرف شرعی احکام ہیں جو مرنے والے انسانوں کے جسم کا احترام کرنے اور ان کو عزت کے ساتھ دفن کردینے کی تاکید کرتے ہیں،اور اگروہ مسلمان ہوں تو ان کی تجہیز و تکفین کرکے نماز جنازہ پڑھنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ان شرعی احکام کی تائید ان لطیف انسانی حسیات سے بھی ہوتی ہے جو (شاید ڈاکٹروں اور بالکل سائنٹسٹ قسم کے لوگوں کے سوا) سب ہی انسانوں میں موجود ہوتے ہیں۔کوئی آدمی خوشی سے یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ اس کے باپ، بیٹے، بیوی، بہن اور ماں کی لاشیں ڈاکٹروں کے حوالے کی جائیں اور وہ ان کی چیر پھاڑ کریں۔یا وہ میڈیکل کالج کے طالب علموں کو دے دی جائیں تاکہ وہ ان کے ایک ایک عضو کا تجزیہ کریں اور پھر ان کی ہڈیاں سکھا کر رکھ لیں۔اسی طرح کوئی قوم بھی یہ گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہے کہ اس کے لیڈر اور پیشوا مرنے کے بعد پوسٹ مارٹم کے تختۂ مشق بنائے جائیں۔ابھی حال میں گاندھی جی اور لیاقت علی خاں مرحوم گولی کے شکار ہوئے ہیں۔"طبّی قانونی" نقطۂ نظر سے ضروری تھا کہ ان کا پوسٹ مارٹم کرکے سبب موت کی تشخیص کی جاتی۔مگر اس سے احتراز کیوں کیا گیا؟ صرف اس لیے کہ قومی جذبات اپنے محترم لیڈروں کی لاشوں کا چیر نا پھاڑنا برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

دوسری طرف طبّی اور قانونی اغراض کے لیے پوسٹ مارٹم کی ضرورت ہے۔طب کے مختلف شعبوں کی تعلیم اور طبّی تحقیقات کی ترقی کے لیے اس کی ضرورت کا انکار نہیں کیا جاسکتا،اور ایک حد تک قانون بھی اس کا تقاضا کرتا ہے کہ قتل کے مقدمات میں سبب موت کا تعین کیا جائے۔

اب یہ ایک بڑا پیچیدہ سوال ہے کہ ان دونوں متصادم تقاضوں کے درمیان مصالحت کیسے کی جائے۔اس کا یہ حل تو میرے نزدیک سخت مکروہ ہے کہ امیروں اور غریبوں، بڑے لوگوں اور چھوٹے لوگوں، خاندان والوں اور لاوارثوں کی لاشوں کے بارے میں ہمارے پاس دو مختلف معیارِ اخلاق اور دو مختلف طرزِ عمل ہوں۔اس لیے لامحالہ اس کا کوئی اور ہی حل سوچنا پڑے گا۔مگر وہ حل کیا ہو،اس باب میں میری قوتِ فیصلہ بالکل عاجز ہے۔یہ چیز کسی ایسی مجلس میں زیر بحث آنی چاہیے جس میں علمائے دین بھی شامل ہوں اور شعبۂ طب اور شعبۂ عدالت کے نمایندے بھی۔ممکن ہے یہ لوگ سر جوڑ کر اس کا کوئی حل نکال لیں۔

فتاویٰ جات کے مابین موازنہ:

مولانا گوہر رحمٰنؒ پوسٹ ماٹم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ : میری ناقص رائے یہ ہے کہ پوسٹ ماٹم میں کوئی چیر پھاڑ نہیں کی جاتی بلکہ موت کا سبب معلوم کرنے کے لئے ضرورت کی حد تک جسم کھولا جاتا ہے اس میں کوئی بے حرمتی نہیں صرف موت کا سبب معلوم کرنا ہوتا ہے اس حد تک تو جائز ہے۔مولانا خالد سیف اللہ رحمانیؒ فرماتے ہیں کہ پوسٹ ماٹم اگر طبّی ضرورت کے پیش نظر ناگزیر ہو جائے تو جائز ہے مقدمہ کی تحقیق کہ وجہ معلوم کرنا ہو تو جائز ہے۔

فرق: مولانا مودودیؒ فرماتے ہے یہ ایک بڑا پیچیدہ سوال ہے کہ اس میں امیروں اور غیریبوں بڑے اور چھوٹے خاندانوں اور لاوارثوں کے بارے میں ہمارے پاس دو مختلف معیار اخلاق ہیں دو مختلف طرز عمل ہے تو اس حل کے لئے سوچنا پڑے گا یہ چیز کسی ایسی مجلس میں زیر بحث لانا چاہیے جس میں علماء دین شامل ہوں اور شعبۂ طب اور شعبۂ عدالت کے نمایندے بھی۔ممکن یہ ہے کہ لوگ سر جوڑ کر اس کا کوئی حل نکال لیں۔تو مولانا مودودیؒ کے نزدیک پوسٹ ماٹم کے باری میں کوئی وضح رائے نہیں ہے۔جن کا ویسے مارنے کا حکم ہوا ہے جو درندہ سانپ بچھو وغیرہ ہے تو مولانا صاحب کی رائے مضبوط معلوم ہوتی ہے۔

27۔ خالد سیف اللہ رحمانی، جدید فقہی مسائل ۲۲۰/۱

ترقیع الا عضاء یعنی اعضاء کی پیوند کاری کی دو اقسام ہیں اور دونوں کا شرعی حکم بھی الگ الگ ہے

۱) انسانی اعضاء کی پیوند کاری ۲) غیر انسانی اعضاء یا مصنوعی اعضاء کی پیوند کاری

(ا) انسانی اعضاء کی منتقلی (یعنی انسانی اعضاء کی پیوند کاری):

مولانا گوہر رحمٰنؒ نے پہلے مثلہ کے معانہ لکھا ہے کہ مثلہ کسی کو کہتے ہے اور اعضاء کی پیوند کاری مثلہ کی معنٰی میں آتی ہے یا نہیں۔

علامہ جوہریؒ مثلہ کے معنٰی یہ لکھتے ہیں: ومثل به يمثل مثلا أي نكل به والاسم المثلة بالضم ومثل بالقتيل جدعه والمثلة العقوبة والجمع المثلات [28] مثلہ کے معنی ہے نکل یعنی اس نے اس کو شدید اور عبرت ناک سزا دی ہے۔ مثلہ اسم ہے (جس کے معنی ہیں اعضاء کاٹنا اور شکل بگاڑنا اور مثلہ میم کی زیر اور ثاء کی پیش کے ساتھ عذاب کو کہتے ہیں جس کی جمع مثلات آتی ہے۔ اور اس معنٰی کے ساتھ قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ سورت الرعد میں ہے: وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلَاتُ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَى ظُلْمِهِمْ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ [29] یہ لوگ بھلائی سے پہلے بُرائی کے لیے جلدی مچا رہے ہیں حالانکہ ان سے پہلے (جو لوگ اس روش پر چلے ہیں ان پر خدا کے عذاب کی) عبرت ناک مثالیں گزر چکی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تیرا ربّ لوگوں کی زیادتیوں کے باوجود ان کے ساتھ چشم پوشی سے کام لیتا ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ تیرا ربّ سخت سزا دینے والا ہے۔

مولانا گوہر رحمٰنؒ فرماتے ہیں کہ: اس لغوی تحقیق سے معلوم ہوا کہ مثلہ یا قصاص تو بدلہ لینے کے لئے کیا جاتا ہے یا محض غصہ نکالنے اور دل ٹھنڈا کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور اس سے رسول ﷺ نے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ مجاہدین کو جہاد کے لئے رخصت کرتے وقت ہدایت فرماتے تھے کہ دشمن کی لاش کا مثلہ نہ کیا کرو لاشوں کی بے حرمتی کرنا ان کی شکل بگاڑنا، ناک، کان، ہاتھ، پاؤں، کاٹ کر اور چیڑ پھاڑ کر کے غصہ نکالنا اور دل ٹھنڈا کرنا اسلامی اور انسانی، اخلاق دونوں کے خلاف ہے۔ اس لغوی بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے انسان کی زندگی بچانے کے لئے پیوند کاری کی نیت ہوتی ہے کہ اعضاء کاٹنا مثلہ نہیں ہے لیکن اتنی بات تو بہر حال پھر بھی ثابت ہوتی ہے کہ اعضاء کاٹنا مثلہ اور چیڑ پھاڑ کرنا بے حرمتی اور تذلیل و توہے اگر یہ مردے کے احترام کے خلاف نہ ہوتا اور اس میں میت کی تذلیل و توہین نہ ہوتی تو لوگ دشمنی کی بناء پر دل ٹھنڈا کرنے اور غصہ نکالنے کے لئے بھی مثلہ نہ کرتے اس لئے کہ دشمن کی تسکین اس کام سے ہوتی ہے جو توہین و تحقیر کا کام ہو بہر حال میت کے اعضاء کی قطع و برید پیوند کاری کی نیت سے کرنا اگر مثلہ نہیں ہے تو احترام میت کے منافی فعل تو ہے اور اس کی اجازت، ضرورت شدیدہ اور مصلحت شرعیہ کے بغیر نہیں دی جاسکتی۔

جن احکام کا مدار عرف و عادت پر ہو اور نصوص خاموش ہوں تو وہ عرف کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں۔ اس لئے کہ شریعت میں سر کھولنا بھی جائز ہے اور ڈھانپنا بھی جائز ہے۔ لہذا اس بارے میں عرف و عادت کو مدار حکم بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن انسان کی ہڈی توڑنے اور اعضاء کاٹنے کی اہانت تو حدیث رسول ﷺ ثابت ہے مثلہ کرنے سے ممانعت کی وجہ یہی ہے کہ یہ موجب اہانت نہ کرتے بلکہ اس بارے میں سکوت فرماتے اور معاملہ مرسلہ اور عرفیات میں شامل ہوتا۔ اس بارے میں سکوت فرماتے اور یہ معاملہ پھر مصالح مرسلہ اور عرفیات میں شامل ہو جاتا۔ اسی طرح میت کی ہڈی توڑنے کی ممانعت بھی حدیث میں آتی ہے اور منصوص ہے عرفی چیز نہیں ہے۔ عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال كسر عظم الميت ككسره حيا [30] مردہ انسان کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسا کہ زندہ کی ہڈی توڑنا۔

---

28 ۔ ابو نصر اسماعیل بن حماد الجوھری، الصحاح في اللغة، (بیروت: دار العلم للملایین، ۲۰۰۱)، ۱۵۹/۲

29 ۔ القرآن: ۱۳:۶

30 ۔ ابو داود، سنن أبي داود، حدیث نمبر: ۳۲۰۹

اعضاء کی پیوند کاری کے بارے میں رسول ﷺ نے انسانی اعضاء کی قطع و برید اور چیر پھاڑ کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اس کی متعلق تین احادیث ذکر کی جاتی ہیں

:عن قتادةأن أنسا رضي الله عنه حدثهم أن ناسا من عكل وعرينة قدموا المدينة على النبي صلى الله عليه وسلم وتكلموا بالإسلام، فقالوا يا نبي الله إنا كنا أهل ضرع، ولم نكن أهل ريف واستوخموا المدينة فأمر لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم بذود وراع وأمرهم أن يخرجوا فيه فيشربوا من ألبانها وأبوالهافانطلقوا حتى إذا كانوا ناحية الحرةكفروابعدإسلامهموقتلوا راعي النبي صلى الله عليه وسلم واستاقوا الذودفبلغ النبي صلى الله عليه وسلم فبعث الطلب في آثارهم فأمر بهم فسمروا أعينهم وقطعوا أيديهم وتركوا في ناحية الحرة حتى ماتوا على حالهم قال قتادة بلغنا أن النبي صلى الله عليه وسلم بعد ذلك كان يحث على الصدقة وينهى عن المثلة وقال شعبة وأبان وحماد عن قتادة، من عرينة وقال يحيى بن أبي كثير وأيوب عن أبي قلابة عن أنس قدم نفر من عكل(31) قبائل عکل و عرینہ کے کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ آئے اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ پھر انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! ہم لوگ مویشی رکھتے تھے ‘کھیت وغیرہ ہمارے پاس نہیں تھے ‘(اس لیے ہم صرف دودھ پر بسر اوقات کیا کرتے تھے اور انہیں مدینہ کی آب وہوا ناموافق آئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ اونٹ اور چرواہا ان کے ساتھ کر دیا اور فرمایا کہ انہیں اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیو تو تمہیں صحت حاصل ہو جائے گی) وہ لوگ چراگاہ کی طرف گئے۔ لیکن مقام حرہ کے کنارے پہنچتے ہی وہ اسلام سے پھر گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو لے کر بھاگنے لگے۔ اس کی خبر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ نے چند صحابہ کو ان کے پیچھے دوڑایا۔ وہ پکڑ کر مدینہ لائے گئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دی گئیں اور ان کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے گئے کیونکہ انہوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا) اور انہیں حرہ کے کنارے چھوڑ دیا گیا۔ آخر وہ اسی حالت میں مر گئے۔ قتادہ نے بیان کیا کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد صحابہ کو صدقہ کا حکم دیا اور مثلہ مقتول کی لاش بگاڑنا یا ایذا دے کر اسے قتل کرنے سے منع فرمایا اور شعبہ ابان اور حماد نے قتادہ سے بیان کیا کہ یہ لوگ عرینہ کے قبیلے کے تھے عکل کا نام نہیں لیا) اور یحییٰ بن ابی کثیر اور ایوب نے بیان کیا ان سے ابوقلابہ نے اور ان سے انس رضی اللہ عنہ نے کہ قبیلہ عکل کے کچھ لوگ آئے۔عن أنس قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحث في خطبته على الصدقة وينهى عن المثلة(32) انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ اپنے خطبے میں صدقہ کی ترغیب دلاتے تھے اور مثلے سے روکتے تھے۔عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال كسر عظم الميت ككسره حيا (33) عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ مردہ انسان کی ہڈی توڑنا ایسا ہی گناہ ہے جیسا کہ زندہ انسان کی ہڈی توڑنا۔

عن جابرخرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في جنازة فجلس النبي صلى الله عليه وسلم على شفير القبر وجلسنا معه فأخرج الحفار عظما ساقا أو عضداً فذهب ليكسره فقال النبي صلى الله عليه وسلم لا تكسرها فإن كسرك إياه ميتاً ككسرك إياه حيا ولكن دسه في جانب القبر قاله في فتح الودود ككسره حياً"يعني في الإثم كما في رواية. قال الطيبي إشارة إلى أنه لا يهان ميتاً كما لا يهان حياً قال ابن الملك وإلى أن الميت يتألم. قال ابن حجر ومن لازمه أنه يستلذ بما يستلذ به الحي انتهى وقد أخرج ابن أبي شيبة عن ابن مسعود قال أذى المؤمن في موته كأذاه في حياته قاله في المرقاة وقال المنذري والحديث أخرجه ابن ماجه.(34) جابر بن عبداللہ نے اس حدیث کا شان ورود یہ کیا ہے کہ ہم لوگ رسول ﷺ کے ہمراہ ایک شخص کا جنازہ پڑھنے گئے تھے۔ جنازہ کے بعد آپ ﷺ قبر کے کنارے تشریف فرما تھے کہ قبر کھودنے والے نے کسی مردہ کی پنڈلی یا بازو کی ہڈی نکالی اوا سے توڑنا اتنا گناہ ہے جتنا کہ زندہ شخص کی ہڈی توڑنا بلکہ اسے قبر کی ایک جانب میں دفن کرو۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میت کی اہانت اسی طرح ممنوع ہے جس طرح زندہ انسان کی اہانت ممنوع ہے۔

---

31 ۔ محمد بن اسماعيل بخارى ،الجامع الصحيح للبخاري،ح١٢٩٦

32 ۔ نسائی،السنن الكبرى،ح،٣٤٩٦

33 ۔ ابوداود،سنن أبي داود،ح،٣٢٠٩

34 ۔ محمد شمس الحق العظیم آبادی،عون المعبود شرح سنن أبي داود(بیروت: دار الکتب العلمیة):١٨/٩

مولانا گوہر رحمٰنؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیات اور احادیث سے یہ بات ثابت کیا ہے کہ اگر کوئی شخص بھوک سے مر رہا ہو تو دوسرے محرمات تو بقدر ضرورت جائز ہیں۔ مگر اپنے جسم کا گوشت کاٹ کر کھانا یا دوسرے انسان کا گوشت کاٹ کر کھانا جائز نہیں ہے اگرچہ اس نے اس بات کی اجازت دے دی ہو۔ اس لئے کہ اجازت تو اپنے ملک میں تصرف کرنے کی دی جاتی ہے اور انسان اپنے جسم کا ملک مختار نہیں ہے ورنہ خودکشی حرام نہ ہوتی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ۔:وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا. (35)اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں مت ڈالو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔ جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں ہے کہ :وأما ما يرجع إلى الواهب فهو أن يكون الواهب من أهل الهبة وكونه من أهلها أن يكون حرا عاقلا بالغا مالكا للموهوب حتى لو كان عبدا أو مكاتبا أو مدبرا أو أم ولد أو من في رقبته شيء من الرق أو كان صغيرا أو مجنونا أو لا يكون مالكا للموهوب ----كذا في البدائع (36)

مذکورہ عبارت اس بات پہ دلالت کرتے ہے کہ کسی چیز کو ہبہ کرنے یا عطیہ کے طور پر کسی کو دینے کے لیے یہ شرط ہے وہ شے مال ہو اور دینے والے کی ملک ہو اور یہی شرط وصیت کے لیے بھی ہے۔

اس طرح ردالمحتار میں ہے کہ :وشرائطها كون الموصي أهلا للتمليك فلم تجز من صغير ومجنون ومكاتب إلا إذا أضاف لعتقه كما سيجيء وعدم استغراقه بالدين لتقدمه على الوصية كما سيجيء و كون الموصى له حيا وقتها تحقيقا أو تقديرا ليشمل الحمل الموصى له فافهمه فإن به يسقط إيراد الشرنبلالي و كونه غير وارث وقت الموت ولا قاتل وهل يشترط كونه معلوماقلت نعم كما ذكره ابن سلطان وغيره في الباب الآتي و كون الموصى به قابلا للتملك بعد موت الموصي الْمُوصِي (37)

مذکورہ عبارت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر مرنے والے شخص نے وصیت کی ہو کہ میرے جسم کے اعضاء مریضوں کے علاج میں استعمال کئے جائیں۔ تو اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے کیونکہ وصیت میراث کی فرع ہے اور وصیت اپنی ملکیت میں کی جاتی ہے اور جسم انسانی میراث میں تقسیم ہونے والی نہیں ہے وصیت اپنی ملکیت میں کی جاتی ہے اور جسم انسانی کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ منتقلی اعضاء کا مقصد انسانی زندگی کا بچاو یا اسے بہتر بنانا ہوتا ہے۔ تو یہ مقصد تو مصنوعی احکام کے مقابلے میں اس قسم کی توجیہات قابل قبول نہیں ہو سکتیں آج کل اگر یورپ میں اس کا رواج ہے تو عرف فاسد ہے اس لئے کہ نصوص کے خلاف ہے۔

جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: الانتفاع بأجزاء الآدمي لم يجز قيل للنجاسة وقيل للكرامة هو الصحيح كذا في جواهر الأخلاطي (38)انسان کے اعضاء سے فائدہ اُٹھانا جائز نہیں کسی نے کہا کہ نجاست کی وجہ سے اور کسی نے کہا کہ کرامت کہ وجہ سے اور کرامت کہ وجہ صحیح ہے جیسا کہ جوہر خلاطی میں ہے۔ شرح سیر الکبیر میں بھی ہے کہ :والآدمي محترم بعد موته على ما كان عليه في حياته .فكما يحرم التداوي بشيء من الآدمي الحي إكراما له فكذلك لا يجوز التداوي بعظم الميت .قال صلى الله عليه وسلم : كسر عظم الميت ككسر عظم الحي (39)انسان محترم ہے موت کے بعد بھی جب تک اس میں حیات ہو جس طرح دوا کے لئے انسان کی کوئی چیز زندگی میں اس کی اکرام کی وجہ سے جائز نہیں تو اس طرح جائز نہیں دوا کے لئے انسان کی ہڈیوں سے جیسا کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ مردہ انسان کی ہڈی توڑنا اس طرح ہے جس طرح زندہ انسان کی ہڈی توڑنا۔ علاء الدین السمرقندیؒ نے اس طرح بیان کیا ہے :ولو أن حاملا ماتت وفي بطنها ولد يضطرب فإن كان غالب الظن أنه ولد حي وهو

35۔ القرآن: ۴:۲۹

36۔ علماء ہند، فتاوی عالمگیری، ۴/۳۷۴

37۔ ابن عابدین، حاشیہ ابن عابدین، ۲۸/۴۴۶

38۔ علماء ہند، فتاوی عالمگیری: ۵/۳۴۴

39۔ سرخسی، المبسوط، ۱/۱۳۵

في مدة يعيش غالبا فإنه يشق بطنها لأن فيه إحياء الآدمي بترك تعظيم الآدمي وترك التعظيم أهون من مباشرة سبب الموت(40)
اگر حاملہ عورت مر گئی ہو اور اس کے پیٹ میں بچہ ہو جو حرکت کر رہا ہوں تو غالب گمان یہ ہے کہ یہ زندہ ہے اور اتنی مدت کا ہے کہ زندہ رہ سکتا ہے تو اس صورت میں اس عورت کا پیٹ چاک کیا جائے گا اس لئے کہ کسی انسان کی زندگی بچ سکتی ہے اگرچہ انسان کی تعظیم و تکریم کو ترک کیا جارہا ہے لیکن تعظیم و تکریم اور احترام آدمیت کا ترک کرنا کم تر خرابی ہے بہ نسبت اس کے کہ بچے کو موت کے حوالے کر دیا جائے۔

انسانی اعضاء کا استعمال:

انسانی اعضاء کا استعمال کرنا بجائے خود اس کی توہین وتذلیل ہے اگر اس کی اجازت دی جائے تو انسانی اعضاء مال تجارت بن جائیں گے اس لئے کہ جن چیزوں کا استعمال جائز ہو ان کی خرید و فروخت بھی جائز ہوتی ہے۔ انسانی بالوں کا استعمال اسی لئے منع کیا گیا ہے یہ انسانی کرامت کے منافی ہے ورنہ فی نفسہ زینت وآرائش تو ممنوع نہیں ہے: عن عائشة أن امرأة من الأنصار زوجت ابنتها فتمعط شعر رأسها فجاءت إلى النبي صلى الله عليه و سلم فذكرت ذلك له فقالت إن زوجها أمرني أن أصل في شعرها فقال لا إنه قد لعن الموصلات (41) ام المومنین عائشہؓ فرماتے ہے کہ قبیلہ انصار کی ایک خاتون نے اپنی بیٹی کی شادی کی تھی۔ اس کے بعد لڑکی کے سر کے بال بیماری کی وجہ سے اڑ گئے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ سے اس کا ذکر کیا اور کہا کہ اس کے شوہر نے اس سے کہا ہے کہ اپنے بالوں کے ساتھ (دوسرے مصنوعی بال) جوڑے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ ایسا تو ہر گز مت کر کیونکہ مصنوعی بال سر پر رکھ کے جو جوڑے تو ایسے بال جوڑنے والیوں پر لعنت کی گئی ہے۔

بالوں کے جوڑنے کی ممانعت اور موجب لعنت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ عمل انسانی بالوں کی توہین ہے اور انسانی کرامت کے منافی ہے ورنہ اون وغیرہ کا جوڑنا جائز ہے۔ جیسا کہ العنایہ شرح الھدیہ میں ہے: ولا يجوز بيع شعور الإنسان ولا الانتفاع بهالأن الآدمي مكرم لا مبتذل فلا يجوز أن يكون شيء من أجزائه مهانا ومبتذلاوإنما يرخص فيما يتخذ من الوبر فيزيد في قرون النساء وذوائبهن (42) انسان کے بالوں کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔ اور ان سے نفع اٹھانا بھی جائز نہیں ہے اس لئے کہ انسان مکرم و محترم ہے۔ استعمال کی چیز نہیں ہے پس اس کے اجزء میں سے کسی جزء کو حقیر اور مستعمل چیز بنانا جائز نہیں ہے اور ان سے بنائی ہوئی مو باف (بال گوندی کی پٹی یافیتہ) کا استعمال جائز ہے تاکہ عورتوں کے سر کے بالوں اور گیسووں میں اضافہ کیا جائے (اس لئے کہ یہ انسان کے اجزء نہیں ہیں۔

مذکورہ عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسانی اجزء کا استعمال اس کی کرامت کے خلاف ہے اور لعنت کی وجہ بھی یہ ہے۔ اور یہی حکم عورت کی دودھ کا ہے کہ رضاعت کی مدت میں تو یہ بچے کی فطری غذا ہے اور حلال اور طیب ہے لیکن مدت رضاعت کی بعد دودھ پینا حلال نہیں ہے۔ جیسا کہ ر دمختار میں ہیں۔ ولم يبح الإرضاع بعد موته لأنه جزء آدمي والانتفاع به لغير ضرورة حرام على الصحيح (43) مدت رضاعت (دوسال) کے بعد دودھ پلانا جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ انسان کے جسم کا جزء ہے اور انسان کے اجزء سے بغیر ضرورت نفع اٹھانا حرام ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے دودھ پینے سے جو منع آیا ہے یہ اس وجہ سے نہیں کہ دودھ نجس ہے اس لئے کہ دو سال تک بچے کو دودھ پلانا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ضروری ہے کیونکہ یہ اس کی فطری غذا ہے پھر پینا اس وجہ سے جائز نہیں کہ یہ انسانی جزء ہے اور اس کو بغیر ضرورت استعمال کرنا اہانت ہے۔ اور انسانی خون اور پیشاب کا استعمال تو اس لئے حرام ہے کہ یہ دونوں نجس بھی ہیں اور انسان کے جسم کا جزء بھی ہیں لیکن دودھ کی حرمت کی

---

40 ۔ علاء الدين مرقند، تحفة الفقهاء (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۸۴)، ۳۴۵/۳

41 ۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۱۹۹۷ ۹

42 ۔ محمد بن محمد بن محمود: العناية شرح الهداية، (بیروت: دار العلم الملايين، ۲۰۰۶) ۱۳۶/۹،

43 ۔ ابن عابدین: رد المحتار: ۳۶۵/۱۰

وجہ نجاست نہیں ہے البتہ اضطراری حالت میں بطور دوا خون اور بول کا استعمال جائز ہے۔يجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفاءه فيه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه(44) مریض کے لئے دوا کے طور پر خون اور پیشاب پینا جائز ہے بشرط یہ کہ مسلمان ڈاکٹر نے اسے کہا ہو کہ اس کا علاج یہی ہے اور اس کا متبادل حلال علاج میسر نہیں ہے جس کا زریعہ اس کا علاج ہو جائے۔اس طرح ابن الہمام فتح قدیر میں لکھتے ہے:وأهل الطب يثبتون للبن البنت أي الذي نزل بسبب بنت مرضعة نفعا لوجع العين واختلف المشايخ فيه قيل لا يجوز وقيل يجوز إذا علم أنه يزول به الرمد (45) طبیبوں نے ثابت کیا ہے کہ لڑکی والی عورت کا دودھ کا آنکھ کے درد کے لئے مفید ہے اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جائز نہیں ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اگر یہ معلوم ہو جائے (ظن غالب سے) کہ اس دودھ کے استعمال سے آشوب چشم چلا جائے گا تو جائز ہے۔

مذکورہ احادیث اور فقہاء کے اقوال سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ انسان کے اعضاء اور اجزاء کی چیر پھاڑ بھی اہانت ہے اور ان کا استعمال بھی اہانت ہے اور منافی اکرام واحترام ہے۔خواہ اہانت کی نیت ہو یا نہ ہو اور خواہ عرف عام میں اسے اہانت سمجھا جا رہا ہو یا اور اس بارے میں غور وفکر اور اجتہاد و تحقیق کی جاسکتی ہے کہ اضطرار حالت میں قاعدہ'' اهون البليتين'' کے تحت اعضاء کی پیوند کاری کی جاسکتی ہے یا نہیں ؟اس کی تشریح اور زیر بحث مسئلے پر انطباق کے بارے میں اپنی تحقیق پیش کرنے سے پہلے ایک سوال کا جواب دینا ضروری ہے تاکہ مسئلے کی پوری طرح تنقیح ہو جائے اور کوئی خلط مبحث باقی نہ رہے وہ یہ کہ کیا اعضاء کا عطیہ دینا یا اس کی وصیت کرنا ایثار کے مفہوم میں شامل ہے ؟الضرر لا يزال بالضرر (46)

اس قاعدہ کا مفہوم یہ ہے کہ ایک انسان کی زندگی بچانے کے لئے دوسرے انسان کو موت کے حوالہ کرنا یا ایک کو اضطراری حالت سے نکالنے کے لئے دوسرے کو اضطرار حالت سے دوچار کرنا جائز نہیں ہے اس اصول کی روشنی میں ہم جب زیر غور مسئلے کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ زندہ انسان کے اعضاء کی پیوندکاری اور مردہ انسان کے اعضاء کی پیوند کاری میں فرق ہے اور دونوں کا حکم یکساں نہیں ہے۔اس لئے کہ مردہ کہ مردہ انسان کے اعضاء کو کاٹنے اور استعمال کرنا اس کے احترام کی وجہ سے ممنوع ہے لیکن زندہ انسان کے اعضاء کاٹنا سے اس کی زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے اور انسانی جسم کا احترام بھی مجروح ہوتا ہے اس فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے تمام علماء نے کہا ہے کہ دوسرے کی بینائی کے لئے اپنی بینائی ختم کرنا اور آنکھ کا عطیہ دینا جائز نہیں ہے اسی طرح دل یا دوسرا ایسا عضو دینا بھی جائز نہیں ہے جس کے کاٹنے کی وجہ سے خود عطیہ دینے والے کے مرجانے یا قریب الموت ہو جانے کا خطرہ ہو کیونکہ دوسرے کی زندگی بچانے کے لئے یا اس کے ضرر کے ازالے کے لئے اپنی زندگی کو ختم کرنا یا اپنے آپ کو ضرر پہنچانا جائز نہیں ہے لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ انسان صرف ایک گردے سے زندہ رہ سکتا ہے اور اس کا بھی غالب گمان ہو کہ اگر اس کا ایک گردہ آپریشن کے جدید اور محفوظ طریقے سے نکال کر گردے کے مریض کو لگا دیا جائے تو اس کی زندگی بچ جائے گی تو مذکورہ قواعد کی بنیاد پر اس کی اجازت دی جاسکتی ہے مگر صرف امکان واحتمال اور معمولی سی امید کی بنا پر زندہ انسان کو نقصان پہنچانا اور اسے موت وحیات کی اضطراری حالت میں مبتلا کرنا نہ شرعً جائز ہے اور نہ یہ عقلمندی کا تقاضا ہے۔اس لئے ڈاکٹروں کو بھی بڑی احتیاط کرنی چاہے اور مفتیوں کو فتویٰ دینے میں احیاط کرنا چاہے اور شرائط کو ملحوظ رکھ کر فتویٰ دینا چاہیے۔

انسانی اعضاء کا عطیہ

پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان اپنی جسم کا خود مالک ہے یا نہیں ؟ یہ بات تو ظاہر ہے کہ انسان کی جسم اور ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ

44 علماء ہند، فتاویٰ عالمگیری، :۳۵۵/۵

45 کمال الدین محمد بن عبد الواحد ابن الہمام فتح القدیر، (بیروت، دار الفکر، ۲۰۰۲ء:۴۴۶/۳

46 عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی، الأشباه والنظائر (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۲۰۰۰ء)، ۸۶/۱

عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (47) کہو خدا ملکُ کے مالک تو جسے چاہے حکومت دے اور جسے چاہے چھین لے جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے بھلائی تیرے اختیامیں ہے بیشک تو ہر چیز قادر ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (48) نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں کائنات کی سلطنت ہے اور ہر چیز پر قدرت کھتا ہے: عن أبي هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال ينزل الله إلى السماء الدنيا كل ليلة حين يمضي ثلث الليل الأول فيقول أنا الملك أنا الملك، من ذا الذي يدعوني فأستجيب له من ذا الذي يسألني فأعطيه من ذا الذي يستغفرني فأغفر له فلا يزال كذلك حتى يضيء الفجر (49) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر رات اللہ تعالیٰ پہلی تہائی گزرنے کے وقت (اپنی شان کے مطابق) آسمانِ دنیا پر نزولِ اجلال فرماتا ہے۔ پھر (اعلان) فرماتا ہے: میں بادشاہ ہوں، کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اسے قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے کسی چیز کا سوال کرے، میں اُسے عطا کروں؟ کون ہے جو بخشش مانگے تو میں اُسے بخش دوں؟ صبح صادق تک وہ اِسی طرح اعلان فرماتا رہتا ہے۔

مذکورہ آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور انسان کی تمام اجزء اللہ تعالیٰ کے تصرف میں ہے انسان خود اس کا مالک نہیں اور جو چیز کسی کی ملک میں نہیں تو اس کا عطیہ کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ بلکہ صرف اسے شرعی احکام کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے جسم کے اعضاء واموال واشیاء استعمال سے نفع اٹھانے کا حق حاصل ہے۔ اور ایثار کے معنی ہیں اپنی ضرورت اور حاجت پر دوسروں کو ترجیح دینا قرآن میں بھی اس معنٰی سے استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ سورت الحشر میں ہے۔ وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (50) اور اپنی ذات پر دُوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔

اس آیت کی سیاق و سباق اور شان نزول دونوں سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر ایثار سے مراد مالی ایثار ہے کہ خود بھوکے کے پیاسے رہ کر بھی مہاجرین کو کھلاتے اور پلاتے تھے۔ یہ دراصل وہ جود وسخا اور اعانت واحسان ہے جس کی ملک حقیقی نے نہ صرف یہ کہ اجازت دی ہے بلکہ اس کی ترغیب دی ہے اور اس کی بہت بڑی فضیلت بیان کی ہے لیکن یہ تو کسی آیات یا حدیث میں آثار صحابہؓ وتابعینؒ میں نہیں ایا کہ مریض کے جسم میں لگانے کے لئے اپنے جسم کا کوئی عضوء کاٹ کر عطیہ دیا جائے یا اس کی وصیت کی جائے تو یہ بھی ایثار ہے اور اس کی بھی بڑی فضلت ہے۔ لیکن اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ مریض کے جسم میں لگانے کے لئے اپنے جسم کا کوئی عضو کاٹ کر عطیہ دیا جائے یا اس کی وصیت کی جائے تو یہ بھی ایثار ہے اور اس کی بھی فضلت آتی ہے بلکہ ملک حقیقی کی ہدایت تو یہ ہے لہ اپنی جسم کے اعضاء واجزاء کا تحفظ کیا جائے اور اس کی قوت اور صلاحیت کو ضائع نہ کیا جائے۔

مولانا گوہر رحمٰنؒ فرماتے ہے کہ لوک ایک وقعہ ذکر کرتے ہے اعضاء کی پیوندکاری کی جواز کے لئے کہ: "جنگ یرموک میں حارث بن ھشامؓ عکرمہؓ اور عیاش بن ربیعہ زخمی ہو کر گر گئے تھے حارثؓ نے پانی مانگا جب لایا گیا تو عکرمہؓ نے پانی کی طرف دیکھا۔ تو حارث نے کہا پہلے اس کو دے دو جب عکرمہؓ نے پانی لیا تو عیاشؓ نے اس کی طرف دیکھا عکرمہؓ نے کہا کہ پہلے اسے دو لیکن پانی عیاشؓ کے پاس ابھی پہنچا نہیں تھا کہ وہ مر گیا اور جب پانی دوسروں کے پاس واپس لایا گیا تو وہ دونوں بھی مر گئے تھے۔" اس قصے میں اس ایثار کا ذکر ہے جو نصوص سے ثابت ہے اور اس کی بڑی فضیلت ہے یعنی اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دینا اور خود بھوکا پیاسا رہ کر دوسروں کو کھانا اور پلانا اس قصے کا جسم کا کوئی عضو کاٹ کر یا دینے کا کیا تعلق ہے؟

---

47 ۔ القرآن: ۲۶/۳

48 ۔ القرآن ۱/۶۷

49 ۔ مسلم بن الحجاج ابو الحسن قشیری، الجامع الصحیح للمسلم، (بیروت: دار احیاء التراث العربي، حدیث نمبر: ۱۶۹۔

50 ۔ القرآن ۹/۵۹

یہ بات تو یقینی نہیں تھی کہ پانی پینے سے ان کی زندگی بچ سکتی تھی اور پانی دستیاب بھی تھا لیکن ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کی زندگی بچانے کے لئے خود پیاس کی وجہ سے مر گیا ان کی موت کی ظاہری جہاد میں زخمی ہونا تھا البتہ پیاس میں کمی آسکتی تھی اور کچھ آرام مل سکتا تھا لیکن انہوں نے اپنے آرام پر دوسروں کی آرام کو ترجیح دیں جو بہت بڑی نیکی تھی رضی اللہ عنہ پانی ان کے جسم کا کوئی حصہ نہیں تھا کہ انہوں نے کاٹ کر دوسروں کو دے دیا تا اعضاء کے عطیہ کی کہ نظیر نائی جاسکے۔ تو اس کی سند متصل نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کے راوی حبیب بن ابی ثابتؒ ہیں جو جنگ یرموک میں شریک نہیں تھے اس لیے کہ اُن کا انتقال ۱۱۹ھ میں ہوا تھا اور یرموک کا معرکہ ۵ رجب ۱۵ھ میں ہوا تھا۔ ابن قتیبہ دنیویؒ متوفی ۲۷۶ھ نے ہو اس رویت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

وهذا الحديث عندي موضوع لأن أهل السّيرة يذكرون أنّ عكرمة قتل يوم أجنادين وعيّاش مات بمكة، والحارث مات بالشام في طاعون عمواس-(51) میرے نزدیک یہ روایت من گھڑت ہے اس لئے کہ اہل سیرت نے ذکر کیا ہے کہ عکرمہؓ بن ابی جہل جنگ اجناد (۱۳ھ) میں شہید ہوئے تھے عیاشؓ بن ابی ربیعہ کا انتقال مکہ میں ہوا تھا اور حارث بن ھشام کی موت طاعون عمواص (۱۸ھ) میں واقع ہوئی تھی۔

سعودی عرب کے علماء کا فتویٰ:

سعودی عرب میں سرکاری سطح پر علمی مباحث اور افتا کے لئے اکابر علماء کی ایک مستقل کمیٹی قائم ہے جس کے رائیس شیخ عبدالعزیز بن باز تھے اس کمیٹی کی تحقیقات اور فتاویٰ کی اشاعت کے لئے ہر چار ماہ کے بعد ایک مجلہ شائع ہوتا ہے جس کا نام ہے۔

اس کمیٹی نے آنکھوں کے ڈاکٹروں کی رائے معلوم کرنے کے بعد اتفاق رائے سے تو نہیں مگر کثرت رائے سے درجہ ذیل فتاوی دیا تھا جو ۲۵ شوال ۱۳۹۸ھ کو ایک قراداد کی صورت میں جاری ہوا تھا۔ بحث و تحقیق اور نقطہ ہائے نظر کے تبادلے کے بعد کمیٹی نے کثرت رائے قائم کی ہے کہ موت کا یقین ہو جانے کے بعد میت کی آنکھ کا قرینہ لے کر کسی مسلمان کی آنکھ میں لگانا جائز ہے بشر طیکہ وہ مضطر ہو اور متبادل علاج موجود نہ ہو اس عمل کی کامیاب کا غالب گمان اور قوی امید ہو اور میت کے وارثوں نے اس کی اجازت دی ہو۔

الجزائر کے علماء کا فتویٰ:

سعودی عرب کے علمی تحقیقات اور دعوت وارشاد کی ئیس شیخ عبداللہ بن باز نے عالم اسلام کے مختلف علمی مراکز کو خطوط لکھے تھے جن میں انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے بارے میں ان کی رائے طلب کی تھی الجزائر کی تعلیم اور مذہبی امور کی وزارت نے اپنے ملک کی کمیٹی برائے آفتاب کی جو رائے ارسال کی تھی اس کا خلاصہ یہ ہے۔

مسلمان ڈاکٹروں نے کمیٹی کی استفار پر بتایا ہے کہ کسی صحت مند شخص کا گردہ نکال کر اگر کسی ایسے مریض کو لگا دیا جائے جس کے گردہ نے کام چھوڑ دیا ہو اور اس کی زندگی شدید خطرہ میں ہو تو اس کی زندگی بچ سکتی اور گردہ کا عطیہ دینے والا ایک گردے سے کافی مدت زندہ رہ سکتا ہے ہیں اور معمول کی زندگی گذار سکتا ہے اس طرح دل اور آنکھ اگر میت کے جسم سے فوری طور پر نکال کر کسی مریض کو لگا دیا دیئے جائیں تو صحت یاب ہونے کی قوی امید ہوتی ہے بشرط یہ کی دل اور آنکھ کا قرینہ امراض سے محفوظ ہو۔ ڈاکٹروں نے یہ بھی کہا ہے کہ پیوند کاری یہ عملیات اگر ڈاکٹروں کے اصول کے مطابق ہو جائیں تو کامیاب ہو جاتے ہیں اور ہزاروں لاکھوں مریضوں کو ان عملیات سے فائدہ پہنچا ہے۔ کمیٹی نے اطباء کے بیان سنے اور علماء کے ساتھ بحث مباحث کی بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ زندہ انسان سے خون لے کر مریض کو دینے ولا اپنی مرضی خوشی سے دے رہا ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس سے اس کی موت کا خطرہ بھی نہ ہو اور ضرر پہنچنے کا کوئی اندیشہ بھی نہ ہو اگر عطیہ دینے والے کی موت کا یا ضرر پہنچنے کا خطرہ ہو تو پھر یہ عمل جائز نہیں ہے اگر چہ وہ راضی ہو اس لئے کہ یہ خود کشی ہے یا اپنے آپ کو خطرہ میں ڈلنا ہے اور میت کا عضو لے کر پیوند کاری کرنا اسی وقت جائز ہے کہ ڈاکٹروں کو پور یقین ہو جائے کہ موت واقع گئی ہے

51۔ عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوري: عیون الأخبار (بیروت: دار العلم، ۲۰۰۱): ۱/۴۶۳

اور جسم میں زندگی کا کوئی اثر باقی نہیں رہا اگر معمولی سا شک بھی ہو کہ مریض ابھی زندہ ہے تو اس کا کوئی عضو لینا جائز نہیں ہے اس لئے کہ ایسی صورت حال میں جسم کو ٹاک کرنا قتل عمد کے مترادف ہے۔

ملائیشیا کی بین الاقوامی علماء کانفرنس کا فیصلہ:

شیخ عبداللہ کنون نے شیخ عبداللہ بن باز کے خط کے جواب میں لکھا تھا کہ اپریل ۱۹۶۹ھ میں ملائیشیا میں ایک بین الاقوامی کانفرنس ہوئی تھی جس نے اعضاء کی پیوندکاری کا عمل تو جائز ہے مگر اس کے لیے شرائط ہیں جن کے بغیر جواز کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ وہ شرائط درج ذیل ہیں۔

1. پہلی شرط یہ ہے کہ مریض اضطراری حالت میں ہوں اور اس کی زندگی بظاہر اس عمل سے بچ سکتی ہو اور کوئی دوسرا متبادل علاج موجود نہ ہو۔
2. دوسری شرط یہ ہے کہ جسم سے دل یا دوسرا ایسا عضو لیا جارہا ہو جس کے بغیر وہ طبّی اصولوں کے مطابق زندہ نہ رہ سکتا ہو تو اس صورت میں ضروری ہے کہ مریض کی موت کا پورا یقین حاصل کرلیا جائے۔
3. تیسری شرط یہ ہے کہ اس بات کا یقین اور احتیاطی تدابیر کا علم حاصل کرلیا جائے کہ اعضاء کی پیوندکاری کا یہ عمل انسانوں کے قتل یا انسانی اعضا کی تجارت اور کاروبار کا ذریعہ نہ ہو
4. چوتھی شرط یہ ہے میت کے وارثوں کی رضامندی حاصل کرلی گئی ہو یا مرنے والے نے وصیت کی ہو کہ میرے جسم کا فلاں عضو لے لیا جائے۔

مشہور محقق مفکر ڈاکٹر عبدالکریم زیدان کی تحقیق بھی یہ یہی ہے کہ مریض کے علاج کے طور پر انسانی اعضاء کی ترقع جائز ہے بشرطیکہ اضطراری حالت ہو اور میسر نہ ہو اور غالب گمان یہ اعضاء ہو کہ اس پیوندکاری سے مریض شفایاب ہو جائے گا۔

مذکورہ تمام آراء کی بنیاد پر مولانا گوہر رحمٰنؒ نے اپنی رائے ذکر کی ہے۔

اصولاً تو انسانی اعضاء کی پیوندکاری اور ان کا استعمال ممنوع ہے اور یہ ممانعت احادیث رسول سے ثابت ہے۔ لیکن (الضرورات تبیح المحظورات اختیا ر اھون البلیتین اور ترجیح اقوی المصلحتین) کے شرعی قواعد کے تحت اضطراری حالت میں بقدر ضرررت یہ عمل جائز ہے مگر اس کے لئے درج ذیل شرائط ہیں ان میں سے اگر ایک بھی پوری نہ کی گئی ہو تو پھر اعضاء کی منتقلی کی شرعاً اجازت نہیں دی جاسکتی۔

مریض کی موت یا اس کے کسی عضو کے ضائع ہونے کا شدید خطرہ ہو۔

1. ماہرین ڈاکٹر کی رائے یہ ہے کہ انسان عضو کی پیوندکاری سے مریض کے شفایاب ہونے کی قوی امید ہے اور اس عمل کے کامیاب ہونے کا گمان ہے۔
2. جس شخص کی لاش سے کوئی عضو لیا جارہا ہوں اس کے بارے میں اچھی طرح یقین حاصل کرلیا گیا ہوں کہ یہ مرگیا ہے اور اس کے جسم میں کوئی زندگی کی رمق باقی نہیں رہی۔
3. اگر زندہ شخص کا کوئی عضو مثلاً گردہ لیا جارہا ہو تو اس صورت میں یقین یا غالب گمان حاصل کرلیا گیا ہو کہ اس کی زندگی کی کوئی خطرہ نہیں ہے اور وہ اپنی خوشی سے یہ عطیہ دے رہا ہو۔
4. میت کے شرعی وارثوں نے اس کا کوئی عضو لینے کی اجازت دے دی ہو اس لئے کہ وہ اس کی تدفین و تجہیز کے شرعاً ذمہ دار ہیں اور اگر میت لاوارث ہو تو علاقے کا مجاز قاضی اس کا وارث ہے جس کی اجازت پر عضو لیا جاسکتا ہے۔
5. اس بات کا اطمینان حاصل کرلیا گیا ہو کہ اعضاء کی پیوندکاری کا یہ عمل انسانی اعضاء کے کاروبار کے ذریعہ ثابت نہیں ہوگا اور حکومتوں نے اس بارے میں قانون کے ذریعے تمام انسدادی اور احتیاطی تدابیر اختیار کرلی ہوں۔

معاصر فتاوی کے ساتھ تقابلی جائزہ:

رسائل ومسائل:

رسائل ومسائل میں مولانا مودودیؒ انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے بارے میں فرماتے ہیں کہ آنکھوں کے عطیہ کا معاملہ صرف آنکھوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ بہت سے دوسرے اعضاء بھی مریضوں کے کام آسکتے ہیں اوران کے دوسرے مفید اعضاء استعمال بھی ہو سکتے ہیں۔ اگر اعضاء کی پیوند کاری کا دروزہ اس طرح کھول دیا جائے تو مسلمانوں کو قبر میں دفنانا مشکل ہو جائے گا۔ اور اس کا سارا جسم چندے ہی میں تقسیم ہو کر رہ جائے گا۔ اسلامی نقطہ نظریہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے جسم کا مالک نہیں ہے اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ مرنے سے پہلے اپنے جسم ہی کو چندہ میں دینے کی وصیت کر دے۔ جسم اس وقت تک انسان کے تصرف میں ہے جب تک روح اس کے جسم میں خود رہتی ہے۔ اس کے نکل جانے کے بعد اس جسم پر اس کا کوئی حق نہیں ہے کہ اس کے معاملہ میں اس کی وصیت نافذ ہو اسلامی احکام کی رو سے زندہ انسانوں کا فرض ہے کہ اس کا جسم احترام کے ساتھ دفن کر دیں۔

اسلام نے انسانی لاش کی حرمت کا جو حکم دیا ہے وہ دراصل انسانی جان کی حرمت کا ایک لازمہ ہے ایک دفعہ اگر انسانی لاش کا احترام ختم ہو جائے تو بات صرف اس حد تک محدود نہ رہے گی کہ مردہ انسانوں کے بعض کارآمد اجزا زندہ انسانوں کے علاج میں استعمال کیے جانے لگیں بلکہ رفتہ رفتہ انسانی جسم کی چربی سے صابن بھی بننے لگیں گے (جیسے کہ فی الواقع جنگ عظیم دوم کے زمانے میں جرمنوں نے بنائے تھے) انسانی کھال کو اُتار کر اس کو دباغت دینے کی کوششیں کی جائیں گی تاکہ اس کے جوتے بٹوہ بریف کیس یا منی پرس بنائے جاسکیں۔ چنانچہ یہ تجربہ بھی چند سال قبل مدراس کی ایک ٹیزی کر چکی ہے)۔ انسان کی ہڈیوں اور آنتوں اور دوسری چیزوں کو استعمال کرنا جائز قرار دے دیا جائے تو پھر کسی کی جگہ حد بندی کر کے آپ اسی جسم کے دوسرے مفید استعمالات کو روک سکیں گے اور کسی اور منطق سے اس بندش کو معقول ثابت کریں گے (52)

مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے موقف:

اسلامی شریعت انسان اور انسانیت کی فلاح کی ضامن ہے اس لئے کسی حرام اور خطرناک کی طرف دیکھنا اور صرف ظاہری فائدہ کے بناء پر اس کی اجازت دے دینا ممکن نہیں، اسلام نہ صرف زندہ انسان کے درست اعضاء کا بلکہ کٹے ہوئے یا بے کار اعضاء واجزاء کا استعمال بھی حرام قرار دیا ہے اور اسی طرح مردہ انسان کے بھی کسی عضو کو کاٹنا ناجائز کہا ہے اور اس معاملہ میں کسی کی رضامندی اور اجازت سے بھی اس کے اعضاء واجزاء کے استعمال کی جازت نہیں دی اور اس حکم میں مسلمان وکافر سب برابر ہیں کیونکہ یہ انسانیت کا حق ہے جو سب میں برابر ہے۔ انسان کے احترام کو شریعت اسلامی نے وہ مقام عطا کیا ہے کہ کسی حال میں بھی کسی کو انسان کے اعضاء واجزاء حاصل کرنے کی لالچ وغیرہ نہ ہو اس طرح یہ مخدوم کائنات اور اس کے اعضاء استعمال کے کاموں سے بالاتر ہیں جن کو کاٹ چھانٹ کر یا کوٹ پیس کر غذاؤں دواؤں اور دوسرے مفادات کے لئے استعمال کیا جائے اور اس مسئلہ پر ائمہ اربعہ، فقہائے کرام اور پوری امت متفق ہے، اور نہ صرف شریعت اسلامی بلکہ تمام مذاہب کا یہی قانون ہے۔(53)

(۲) غیر انسانی اعضاء کی پیوند کاری یا مصنوعی اعضاء کی پیوند کاری

انسان کے علاوہ دوسرے جانوروں کے اعضاء یا جمادات، نباتات اور پلاسٹک کے مصنوعی اعضاء کی پیوند کاری بالاتفاق جائز ہے **لیکن خنزیر نجس العین ہے قرآن کریم نے اسے نجس کہا ہے یہ اپنے تمام اعضاء سمیت گندا اور ناپاک ہے اس لئے خنزیر کے اعضاء کی پیوند کاری بلکل ممنوع ہے لیکن باقی تمام جانوروں کے اعضاء کی پیوند کاری بالاتفاق جائز ہے۔** جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری میں ہے: وقال محمد رحمه الله تعالى ولا بأس بالتداوي بالعظم إذا كان عظم شاة أو بقرة أو بعير أو فرس أو غيره من الدواب إلا عظم الخنزير والآدمي فإنه يكره التداوي بهما۔۔۔ وأما عظم الكلب

52 ۔ مودودی، رسائل ومسائل، ۷۵۷

53 ۔ خالد سیف اللہ رحمانی: جدید فقہی مسائل، ۳۳۸،۴

فيجوز التداوي به هكذا قال مشايخنا وقال الحسن بن زياد لا يجوز التداوي به كذا في الذخيرة(54)اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے علاوہ جانوروں کی ہڈیوں کے ذریعے مریض کا علاج کرنے میں کوئی باک نہیں ہے سوائے خنزیر اور انسان کی مشائخ حنفیہ کتے کی ہڈی کا استعمال بھی بطور علاج جائز سمجھتے ہیں البتہ حسن بن زیادہ کے نزدیک کتے کی ہڈی کے ذریعے علاج جائز نہیں ہے۔

جیسا کہ سنن نسائی میں ہے: قال حدثنا عبد الرحمن بن طرفة عن جده عرفجة بن أسعد أنه أصيب أنفه يوم الكلاب في الجاهلية فاتخذ أنفا من ورق فأنتن عليه فأمره النبي صلى الله عليه وسلم أن يتخذ أنفا من ذهب(55) حضرت عرفجہ بن اسعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دور جاہلیت میں جنگ کلاب کے دوران ان کی ناک کٹ گئی تھی تو انہوں نے چاندی کی ناک لگوالی لیکن وہ خراب ہو گئی اور اس سے بدبو آنے لگی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وہ سونے کی ناک لگوالیں۔

مولانا صاحب نے یہ آیت ذکر کی ہے: هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيم (56) وہی تو ہے جس نے تمھارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں، پھر اُوپر کی طرف توجّہ فرمائی اور سات آسمان استوار کیے۔ اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ مذکورہ آیت اور اس مضمون کی دوسری آیات واحادیث کی روشنی میں فقہاء نے یہ قاعدہ بنایا ہے

الأصل في الأشياء الإباحة یعنی اصل اشیاء میں اباحت اور جواز کا ہے جب تک قرآن و سنت میں ممانعت نہ آئی ہو۔ تو ان سب بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ خنزیر کے علاوہ دوسرے جانوروں کے اعضاء اور مصنوعی اعضاء کا استعمال جائز ہے اور مروج بھی ہے اور مفید بھی ہے۔(57)

فتاویٰ جات کے مابین موازنہ:

سب علماء جواز کا فتویٰ دیتا ہے لیکن کچھ شرائط کے ساتھ اور وہ شرائط اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

راقم کے رائے: مقالہ نگار کے نزدیک ملیشیاء کے علماء کے رائے مضبوط معلوم ہوتا ہے اس نے جو شرائط لگایا ہے اس میں نہ مکمل آزادی ہے اور نہ منع ہے بلکہ اسی شرائط لگایا ہے کہ اس میں نہ انسان کی تذیل ہوگے بلکہ معتدل شرائط ہیں واللہ اعلم۔

---

54 ۔ علماء ہند، فتاویٰ عالمگیری، ۳۵۴/۵:

55 ۔ نسائی، سنن نسائی، ح: ۹۴۰۰

56۔ القرآن: ۲۹/۲

57۔ گوہر رحمن، تفہیم المسائل، ۲۴۲/۱